باسمہ سبحانہ الحمد

شیعہ فرقہ صدر اسلام سے جن گوناگوں مشکلات میں مبتلا رہا اور اسکو اپنے مخالفین کی تخریبی سرگرمیوں کا جن سختیوں کے ساتھ مقابلہ کرنا پڑا اُن کو دیکھتے ہوئے اُس کے کارنامہ ہائے زندگی کا بے نام و نشاں ہونا تو درکنار خود اُسکے نقش حیات کا صفحہ ہستی سے محو ہو جانا کچھ بعید نہ تھا۔

تاریخی صفحات کا ایک سرسری نظر سے مطالعہ کیا جائے تو اس جماعت کے مقابلہ میں مخالفت و عداوت کی ایسی ڈرونی تصویریں نظر آئیں گی کہ انسان اتبک اُس کے بقا اور وجود ہی کو ایک راز قدرت اور تائید غیبی سمجھنے پر مجبور ہو جائے گا چہ جائیکہ اُسکے علمی کمالات اور مذہبی خدمات کے آثار باقیہ۔

دنیا حقیقت پرست نہیں بلکہ مادی شکست و ریخت کا ایک طلسم ہے۔ انسانی افراد کے طبایع میں خوف و طمع دو قسم کے جذبات پوری قوت کے ساتھ کارفرما ہیں، اور عالم کے بڑے سے بڑے جرائم انھی دونوں نفسانی کیفیتوں کے تحت میں انجام پا جاتے ہیں

شیعیت کے مقابلہ میں انھی دونوں بے پناہ حربوں کا پوری طاقت کے ساتھ استعمال کیا جاتا رہا۔ ایک طرف سروں پر کھنچی ہوئی تلوار زن

امامیہ مشن کی تئیسویں تبلیغی خدمت

حضرات! یہ رسالہ جو آپ کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے ایک انتہائی نادر موضوع سے تعلق رکھتا ہے جس پر اب تک قلم اُٹھایا نہیں گیا تھا ہمارے مخالفین کا یہ خیال کہ فرقۂ شیعہ میں حفاظ قرآن کا وجود نہیں رہا ہی اس رسالہ کے بعد ہمیشہ کیلیے غلط ثابت ہو جائیگا۔ اُمید ہی کہ تمام ارباب نظر اس رسالہ کو کامل غور و خوض سے مطالعہ فرمائنگے۔ والسّلام

خادم ملت

سید ابن حسین عفی عنہ سکریٹری امامیہ مشن حسین آباد لکھنؤ

ربیع الاول ۱۳۵۲ھ

کیا خدمات انجام دیے ؟ اُن بیچاروں کو سر اُٹھانے کا موقع ہی کہاں دیا گیا کہ اُن کے علمی و مذہبی کارناموں کا جائزہ لیا جائے، لیکن ان باہمت اور دُھن کے پکّے، بلند حوصلہ افراد نے اس سوال کے جواب میں اپنی تمام مشکلات کے باوجود بھی سر نیچا ہونے کا موقع نہیں آنے دیا۔ تاریخی اوراق اور طبقات علمیہ کے صفحات پر اُن کے علمی کارناموں کے نقش اُبھرے ہوئے نظر آتے ہیں۔

شیعوں کے علمی، ادبی، مذہبی خدمات کی اہمیت اُس وقت بہت بڑھ جاتی ہے جب اُن کے داخلی و خارجی مشکلات اور اُن کے ساتھ اہل زمانہ کے طرز عمل کو پیش نظر رکھا جائے کون عالم امکان کی ایسی قوم ہے جو اس بات کا دعویٰ کر سکے کہ اُس کے افراد نے قیدخانوں کے اندر پابزنجیر رہ کر، مخالفین کی برہنہ تلواروں کو اپنے سروں پر کھنچا ہوا دیکھ کر، اپنے قریب ترین اعزا اور دوستوں کو اُسی جرم تشیع کی پاداش میں قتل ہوتے ہوئے پا کر بھی علم کی خدمت سے ہاتھ نہ اُٹھایا ہو اور برسرحکومت اقوام کے دوش بدوش نہیں بلکہ اُن سے چند قدم آگے رہ کر اپنے کارنامۂ حیات کو جاری رکھا ہو۔

علامۃ الدہر آقا سید حسن صدر دام ظلہ کی کتاب "الشیعہ و فنون الاسلام" کا مطالعہ کرو اور دیکھو کہ عالم کا کوئی علم اور فن ایسا نہیں ہے جس میں

کی زبانیں شیعیت کا نام بھی زبان پر آنے کو جرم بتلاتی تھیں اور دوسری طرف خزانوں کے کھلے ہوئے منہ منفق اللہجہ طلائی اور نقرئی سکوں کی آواز سے اپنی طرف بلاتے تھے۔

بھلا ایک وہ قوم جو اپنے ابتدائی دورِ زندگی ہی میں ایک دن دو دن ہفتہ دو ہفتہ مہینہ دو مہینہ، سال دو سال نہیں تین سو سال تک تلواروں کی چھاؤں میں رہی ہو اور جس کے مٹانے میں شام و عراق کی پوری دولت، فوجوں اور لشکروں کی تمام طاقت شہرۂ آفاق مدبر دماغوں کی ساری حیلہ گری اور سیاست صرف کی گئی ہو وہ کیا اس بات کی مستحق ہو سکتی ہے کہ اُسکا نام دفترِ وجود میں باقی رہے۔

لیکن اس کو خدا کی قدرت سمجھا جائے یا حقیقت کا زور یا ان محیر العقول انسانوں کا ثبات و استقلال کہ اس عظیم مخالفت اور طاقت ور ترین دشمنوں کی مزاحمت کے باوجود اس بے دست و پا فرقہ کی تعداد میں کمی کے عوض زیادتی ہوتی گئی۔ کہاں وہ پہلا دور جبکہ اس مذہب کے نام لیوا افراد کی تعداد ایک ہاتھ کی انگلیوں پر شمار کرنے کے قابل بھی نہ تھی، اور کہاں آج کہ عالم کا ہر گوشہ اس پاکباز مذہب کے افراد سے چھلک رہا ہے۔

اب یہ سوال کس قدر ستم ظریفی پر مبنی ہوگا کہ شیعوں نے علمی دنیا میں

نہ اسکے عالم میں کچھ آثار علمیہ پائے جاتے ہیں (۱)

اس کا جواب سوائے اس کے کیا ہو سکتا ہے کہ میں ابو العلاء معری کے اس شعر کو بار بار پڑھوں۔

النجم تستصغر الابصار صورته ۔۔۔ والذنب للعین لا للنجم فی صغر

لیکن درحقیقت ہم کو غیروں کی شکایت فضول ہے، خود ہماری جماعت نے اپنے آثار علمیہ کی نشر و اشاعت کو ضروری نہیں سمجھا، خدمات انجام دیے اور اتنے اہم خدمات کہ اپنے سے زیادہ تعداد، قوت ثروت رکھنے والوں پر سبقت حاصل کی مگر زیر پردہ، اسطرح کہ عالم دیدہ دلیری کے ساتھ ہمارے مساعی اور خدمات جلیلہ کا انکار کرتا ہے۔

تقیہ کے زمانہ میں تلواروں کی چھاؤں میں بسر کرنے والے اسلاف نے اپنے فرائض کو پوری جانفشانی سے انجام دیا اور شیعیت کی ایک غیر متزلزل بنیاد قائم کی مگر کھلے میدان میں تبلیغ مذہب اور نشر و اشاعت کر سکنے والے اخلاف نے موقع کو غنیمت نہ جانا اپنے پیش رو اسلاف کے نقش قدم سے علیٰحدہ ہٹ کر اُن کی عرق ریزی اور جانفشانیوں پر پانی پھیر دیا، نہ اپنی ہستی کو دنیا کی نظروں میں قابل وقعت نہیں دیا اور نہ اپنے بزرگوں کے نام کو زندہ رکھا۔ اہلسنت قابل مبارکباد ہیں کہ انھوں نے اپنے آثار علمیہ کی حفاظت اور نشر و اشاعت میں کوئی

(۱) تاریخ آداب اللغۃ العربیہ ج ۳ صفحہ ۶

سب سے پہلے شیعوں نے حصہ نہ لیا ہو اور اُس میں تقدم اور رہنمائی کا سہرہ اس پامال ظلم و مخالفت قوم کے سر ہو۔

لیکن افسوس ہے کہ شیعوں کے بیشتر علمی و مذہبی کارنامے اب تک زمانہ کی بے اعتنائی اور نامساعدت کی بدولت عام نظروں سے مخفی ہیں۔

یہ دنیا کی بد مذاقی اور علم دشمنی نہیں ہے تو کیا ہے، کہ ایک اتنی بڑی مہتم بالشان اور جلیل المرتبہ قوم کے علمی احسانات کو وہ اس طرح فراموش کر دے کہ کبھی بھولے سے اُس کا نام لینا بھی جرم سمجھتی ہو۔

جرجی زیدان مسیحی کی تاریخ آداب اللغۃ العربیہ مسلمانوں کے تمام علمی خدمات اور ادبی احسانات کے احاطہ و استقصا کا دعویٰ کرتے ہوئے غریب شیعوں کے عظیم کارناموں سے اس طرح چشم پوشی کر جائے کہ گویا یہ قوم کبھی معرض وجود میں آئی ہی نہیں،

پندرہ سو صفحہ کی کتاب میں تین چار جگہ سے زیادہ شیعہ مصنفین کا تذکرہ نہ ہو اور وہ بھی ایسے معمولی الفاظ میں کہ اُنکے وجود سے عدم بہتر تھا۔

اُس پر طرہ یہ کہ علامہ شیخ محمد حسین کاشف الغطاء نجفی کی توجہ دہانی (۱) پر جواب دیا جائے، کہ ہم نے اُن مؤلفین کا تذکرہ کرنا ضروری سمجھا ہے جن کے آثار باقیہ دنیا میں موجود ہیں لیکن شیعہ قوم کوئی زندہ قوم نہیں،

(۱) مراجعات ریحانیہ طبع صیدا ج ۲ صفحہ ۲۷-۳۲، ۶۶-۶۸، ۷۸-۸۳۔

گوشہ نشینی میں بھی اہم ترین معلومات کے قلعوں کو آسانی سے فتح کرتے ہیں۔
اُن کے ... اور قلمی خدمات سے مستفید ہونا ملت خوابیدہ کا کام
ہے جس کی توقع اُس سے بالکل فضول ہے۔ علامہ شیخ محسن طہرانی سامرہ کی ارض
مقدس پر گوشہ نشینی کی زندگی بسر کرتے ہیں، اُن کی کتاب "الذریعہ الیٰ تصانیف
الشیعہ" جو تین ضخیم مجلدات پر مشتمل ہے درحقیقت شیعی سرمایہ معلومات کا خزانہ عامرہ
ہے، لیکن ابتک افراد قوم کی بے توجہی سے گمنام ہے۔

اگر ایران میں ناصر الدین شاہ کے زمانہ کا ساقاجاری دور ہوتا تو اب تک
یہ کتاب دنیائے اسلام میں ظاہر ہو کر شیعی عظمت کا سکّہ عالم میں قائم کر چکی ہوتی
لیکن اب شیعی حکومتوں سے اتنی توقع نہیں کہ وہ ایسے گرانقدر سرمایہ کی اشاعت
کا موقع پا سکیں۔

مخالفین کی جارحانہ کارروائیاں جن کی طرف سابق میں مختصر طور پر اشارہ
کیا گیا ہے شیعوں کی ہستی کو فنا کرنے یا اُن کے علمی مساعی جمیلہ اور خدمات جلیلہ
کا سدباب کرنے میں کامیاب نہیں ہوئیں لیکن اُن کے ضمن میں اس مقدس فرقہ
کی نیکنامی اور شہرت کو اچھا خاصہ صدمہ پہونچا۔

ذاتی اغراض و مقاصد کے تحت میں شیعی فرقہ کے مذہبی روایات اور
شخصی خصوصیات کے متعلق غلط بیانی، افترا پردازی، بہ دروغ بافی ابلہ فریبی کا

کوتاہی نہیں کی، علاوہ اُن مطابع کے جو مصر و بیروت میں ہمیشہ کتب علمیہ کی اشاعت میں مصروف ہیں، مؤلفات کے ذریعہ سے اپنے پیشرو اسلاف کے کارناموں کو زندہ رکھتے ہیں، کاتب چلپی نے کتاب کشف الظنون میں اپنے فرقہ کے مؤلفات کی فہرست لکھکر اُن کے علمی خدمات کا جس عنوان پر احیا کیا ہے اُسکی نظیر نہیں مل سکتی۔

کاش شیعوں کی بھی کوئی ایسی کتاب عالم اسلام میں ظاہر ہوئی ہوتی جو اُنکے آثر علمیہ کا احیا کرتی۔ میرا خیال ہے کہ آج تک ہماری ملت حقہ کے بہت سے افراد کو خود اس بات کا اندازہ نہ ہوگا کہ اُن کے ابنائے ملت کے مؤلفات اتنی تعداد میں ہیں بھی جو کشف الظنون کی تین جلدوں کی فہرست کے مقابلہ میں پیش کئے جاسکیں ؟

افسوس ہے کہ ہماری قوم کو خود اپنی ہستی اور اُس کی اہمیت کا اندازہ نہیں، کیا میرے قلم کے نکلے ہوئے یہ الفاظ حیرت و استعجاب کے ساتھ نہ دیکھے جائیں گے کہ شیعوں کے علمی مؤلفات کی فہرست جمع کی گئی تو اُن کی تعداد کشف الظنون کی تینوں جلدوں کے مندرجہ کتب سے دوچند نکلی۔

ابھی تک ناظرین کو اپنے فرقہ میں کسی ایسی کتاب کا سراغ بھی نہ ہوگا جسنے اس عظیم ذمہ داری کو انجام دیا ہو لیکن یاد رہے کہ شیعی فرقہ اب بھی مجاہدین سے خالی نہیں ہے، اور اُن کے قلم اب بھی علمی خدمتوں کے لئے وقف ہیں، وہ

نہ کیا۔ امام کی زبان سے اپنے ان ممتاز شاگردوں کے متعلق وقتاً فوقتاً جو مدح وثنا کے کلمات صادر ہوئے ہیں وہ اُن تمام افترا پردازانہ خیالات کا قلع قمع کردیتے ہیں جو اُن کے متعلق معاندین کی طرف سے پیش کیئے جاسکتے ہیں۔

خیال کیا جاسکتا ہے کہ اس قسم کے خلاف واقع خیالات کا دور دورہ اسی وقت تک تھا کہ جب ذرائع نشر واشاعت کم تھے، مطابع کا وجود نہ تھا اور شیعی فرقہ کی کتابیں لوگوں کے پیش نظر نہ تھیں متعصب باپ دادا سے سُنی سنائی اور افواہی خبروں پر اعتماد کرکے اس قسم کے بے سروپا واقعات کو درج کردیا جاتا تھا لیکن اس کو کیا کہا جائے کہ موجودہ زمانہ میں جو عصر التنویر (نئی روشنی کا دور) کہا جاتا ہے جس میں مطابع کی برکت سے ایک ایک کتاب کے ہزاروں نسخے عالم میں منتشر ہیں۔ لیکن آج بھی عام اسلامی مؤلفین تاریخی حقائق پر رحم کھاکر صحیح واقعات کا پابند ہونے کی زحمت نہیں اُٹھاتے۔ آج بھی شیعہ فرقہ کے متعلق اس قسم کے خلاف واقع، بے اصل خیالات کی اشاعت ضروری سمجھی جاتی ہے، جنکو دیکھکر انسانیت کی پیشانی عرق انفعال سے تر ہوجاتی ہے۔

افسوس اس کا ہے کہ ہم تمھید لکھنے بیٹھے ہیں خود اس موضوع پر مستقل کتاب لکھنا اس وقت مدنظر نہیں ورنہ ہم اس قسم کی کوششوں کو ذرا توضیح کے ساتھ بیان کرتے جو موجودہ زمانہ میں شیعیت کے خلاف جاری ہیں اور دکھلاتے کہ مؤلفین وکتاب عصر کی طرف سے کس طرح واقعات وحقائق مسخ

ایک طوفان تھا جو اُمنڈتا چلا آرہا تھا، واقعات کی کتر بیونت اور حقائق کی کاٹ چھانٹ کرکے محاسن کو قبائح کی صورت میں اور مناقب کو مثالب کی شکل میں پیش کیا جاتا تھا، یہ سب کیوں؟ صرف اس لئے کہ سادہ لوح افراد کی عقلوں پر پردہ پڑے، اور واقعات کی تہ تک پہونچ جانے کا امکان باقی نہ رہے

عام اسلامی مورخین کو بھی ہم اس جرم سے مستثنیٰ نہیں کرسکتے کہ انھوں نے تاریخی واقعات کو اصلی آنکھوں سے نہیں بلکہ تعصب کی عینک لگا کر دیکھا ہے۔ جس کے سبب سے تاریخی حقائق پر پردہ پڑ گیا ہے کیا علامۂ شہرستانی ایسے مدعی تحقیق سے یہ شکایت بیجا ہے کہ انھوں نے ملل ونحل میں شیعی رہنمایان ملت کے متعلق انصاف و دیانتداری سے کام نہیں لیا ہے، ہشام بن حکم اور ہشام بن سالم ایسے مبلغین تشیع کے حالات میں تجسیم کے عقیدہ کو پوری دیدہ دلیری کے ساتھ منسوب کیا گیا ہے. حالانکہ ہمارے مذہبی کتب وجوامع حدیث ان بزرگان دین کے اقوال و آثار سے مملو ہیں، اُن میں سوائے حکمت آلٰہیہ اور فلسفہ شریعت اور حقائق اسلام کی صحیح تعلیمات کے ایک کلمہ بھی خلاف نظر نہیں آتا اُن کے اقوال وخیالات تمام تر انھی تعلیمات کا آئینہ ہیں جو اُن کے امام اور معلم روحانی امام جعفر بن محمد الصادق علیہ السلام کے ارشادات سے مستفاد تھیں جن سے بڑھکر صفات آلٰہیہ اور شریعت نبویہ کا عارف کوئی نہ تھا اور نہ ان بزرگ ہستیوں نے سوائے حضرت کے کسی کے سامنے زانوئے تلمذ کو

پہلے شیخ الرافضہ ہشام بن حکم کو ابو شاکر دیصانی کی صحبت نے خراب کیا، یہ شخص ظاہر میں تو اسلام کا ادعا رکھتا تھا مگر در حقیقت کفر و زندقہ کیطرف مائل تھا"

تمام کتب تاریخ وحدیث کا مطالعہ کر جائیے ہشام بن حکم کو ابو شاکر دیصانی سے کون سا علاقہ ہے اور اُس کے کفریہ خیالات کو ہشام بن الحکم ایسے امام الآئمین کے اقوال سے کیا واسطہ؟ کیا تاریخی وسعت معلومات کا مظاہرہ ایسے ہی من گڑھت، بے سروپا بیانات سے ہو سکتا ہے؟ اسی صفحہ میں یہ لفظیں بھی نظر آتی ہیں "شیعوں کا سب سے بڑا مقصد محمد مصطفٰے کی رسالت کا انکار اور قرآن مجید کی تکذیب اور امت اسلامیہ کے اجماع کی مخالفت ہے"

اللھم الیک المشتکی۔ راست گوئی و حقیقت پرستی و واقعہ نگاری کا حق اس طرح تو ادا کیا جائے! مذکورۂ بالا لفظوں کے جواب کے لئے کسی مناظر کے قلم کی ضرورت ہے، میں اس میدان میں آنے پر تیار نہیں ہیں تو صرف یہ دکھلانا چاہتا تھا کہ عام مؤلفین و ارباب تصنیف کی طرف سے شیعوں کے متعلق کیسے زہریلے خیالات کی اشاعت ہوتی رہتی ہے اور انکے مذہبی روایات کے بارے میں کیسی بے سروپا غلط بیانیوں و افترا پردازیوں کا مظاہرہ ہوتا ہے۔

انھی غلط خیالات میں سے جن کی اشاعت کا سلسلہ شیعیت کے خلاف شروع سے ہوتا رہا ہے، ایک وہ خیال ہے جس کی بے حقیقت شہرت

کیے جا رہے ہیں اور شیعی فرقہ کی ہر دلعزیزی و نیکنامی کو صدمہ پہونچایا جا رہا ہے۔

مصطفیٰ رفاعی مصر کے مشہور اہل قلم اور مؤلفین میں سے ہیں۔ اُن کی کتابیں "اعجاز القرآن" اور "تحت رایۃ القرآن" اپنے موضوع میں نرالی شان رکھتی ہیں اور قابل قدر ہیں لیکن افسوس کہ اُن میں بھی مذہبی تنگ نظری اور تاریخی ایجاد و اختراع کی کافی نمائش موجود ہے۔

دوسری کتاب کے صفحہ ۱۶۱ پر لکھا ہے "شیعہ فرقہ کو حقائق کے اندر شک میں مزہ ملتا اور بے اطمینانی میں لذت حاصل ہوتی ہے۔ وہ قرآن کی صریحی آیتوں میں شک کرتے اور اعتقاد رکھتے ہیں کہ قرآن کے اندر زیادتی کمی، تغیر و تبدیلی ہوئی ہے۔"

کیا شرم آنے کی بات نہیں کہ ایک ایسا شخص جو تحقیق کا علمبردار ہو، شیعوں کی طرف ایسے غلط اعتقاد کی نسبت دے جس سے اُن کو دور کا بھی واسطہ نہیں، یہ مسئلہ عرصہ سے زیر بحث ہے اور شیعہ مؤلفین و اہل قلم نے اسکو بخوبی حل کر دیا ہے اور سب کو معلوم ہو چکا ہے کہ اگر تحریف و تبدیل کے اخبار کی جستجو کیجائے تو زیادہ تر ان کا سرمایہ حضرات اہلسنت کی کتابوں میں دستیاب ہوگا۔ؔ

اسی کتاب کے صفحہ ۱۹۰ میں دیانتدار مصنف نے لکھا ہے "سب سے

ؔ۔ اس بحث کے مکمل مطالعہ کیلئے ملاحظہ ہو ہمارا رسالہ "تحریف قرآن کی حقیقت"۔

آمادہ ہو سکا۔ ناظرین اس کام کی اہمیت کا اندازہ کر سکتے ہیں اس لیئے کہ شیعوں کے کتب رجال و حدیث میں آج تک ایک باب بھی حفاظ قرآن کے عنوان سے قرار نہیں دیا گیا ہے، تمام تر اس موضوع میں کامیابی سیر کتب اور کتب تاریخ و حدیث و رجال کی شروع سے آخر تک ورق گردانی پر موقوف ہے۔ قبل اس کے کہ شیعہ حفاظ قرآن کی فہرست کو شروع کروں چند مفید تبصرے ہدیۂ ناظرین کرنا ضروری خیال کرتا ہوں۔

پہلا تبصرہ

حفظ الفاظ اور حفظ معانی

الفاظ و معانی کا ارتباط بجائے خود ایک غامض مسئلہ ہے جس کے متعلق افکار و عقول نے بہت کچھ ٹھوکریں کھائی ہیں۔ سلیمان بن عباد کا دعویٰ تو یہ تھا کہ لفظ ذاتاً معنی کے ساتھ ارتباط رکھتی ہے۔ یعنی قبل اس کے کہ کوئی واضع لغت "پانی" کی لفظ کو اس مخصوص سیال بارد یا تطبیع عنصر کیلئے وضع کرے "پانی" کے حروف اور اُن کی ہیئت اجتماعیہ اس معنی کی طالب تھی، اُس کا خیال ہے کہ معانی کے خصوصیات الفاظ میں نمایاں طور پر پائے جاتے ہیں۔ پانی چونکہ سیال جسم ہے اُس کے لیے جو لفظ عربی میں "ماء" پایا جاتا ہے۔ خود اس کی آواز میں بھی ایک سیالانہ کیفیت موجود ہے اور

صرف ہندوستان کے اندر محدود ہے اور اس کے ذریعہ سے شیعوں کے ذاتی شرف وکمال پر دھبہ لگانے کی کوشش کیجاتی ہے۔

سواد اعظم اہل اسلام کے اکثر افراد اس خیال کو اپنے دل و دماغ میں جگہ دیے ہوئے ہیں کہ شیعوں میں حافظ قرآن نہیں ہوتے اور نہ ہو سکتے ہیں۔ بارہا یہ دعویٰ ان متعصب حلقوں کی طرف سے پیش کیا جاتا رہا ہے، اور اپنے مذاق کے موافق اس کے وجوہ بھی تراشے گئے ہیں اور صرف زبانی نہیں بلکہ بعض تحریرات میں یہ ادعا ہماری نظر سے گذرا ہے۔ اس خیال کو بحمد اللہ ہمارے فرقہ کے اکثر افراد عملی صورت سے باطل کر چکے ہیں، اور خود حفظ قرآن کر کے اس صدائے بے ہنگام کی کوئی وقعت باقی نہیں رکھی اور موجودہ زمانہ میں بھی کثیر افراد خود اس دعویٰ کی رو میں پیش ہو سکتے ہیں جن کا حفظ قرآن معیار امتحان پر کامل ثابت ہو چکا ہے، مگر کہنے والے کی زبان پکڑنا کسی کا کام نہیں، باوجود متعدد تجربوں کے پھر بھی یہ آواز بلند ہوتی ہے کہ "شیعوں میں حافظ قرآن نہیں ہو سکتے"۔

میرے ذہن میں عرصہ سے یہ خیال گردش کر رہا تھا کہ ابتدائے عہد اسلامی سے اسوقت تک کے شیعی حفاظ قرآن کی ایک مختصر فہرست قلمبند کروں جسکے سبب سے ہمیشہ کے لیے یہ دعویٰ غلط ثابت ہو جائے چنانچہ خدا کا شکر ہے کہ میں اس وقت اس موضوع پر قلم اٹھانے کیلئے

آسمان کا تفرقہ ہے تو ایک واحد لفظ کی آواز میں کہاں تک وہ تمام خصوصیات محفوظ رہ سکتے ہیں، خصوصاً جب کہ معانی ایک دوسرے کی ضد یا نقیض ہوں۔ مشترک الفاظ کا عموماً اور لغات اضداد کا وجود خصوصاً اس خیال کی کمزوری کو طشت از بام کرنے کیلئے کافی ہے

حقیقۃً الفاظ اپنے ذاتی اعتبار سے تمام معانی کے ساتھ مساوی مناسبت رکھتے ہیں، اُن کا ارتباط مخصوص معانی کے ساتھ واضع کا رہین منت ہے بے شک جب کہ کسی مستند واضع نے لفظ کو ایک معنی کے لئے مقرر کر دیا تو اُس کے سبب سے لفظ اور معنی کے درمیان ایک خاص علاقہ مودّت اختصاص پیدا ہو جاتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ جب لفظ کانوں میں پہونچے معانی کی طرف ذہن منتقل ہو جائیگا۔

معانی وہ عقلی مفاہیم ہیں جو خارجی یا غیر خارجی اشیاء کے لئے ذہن میں موجود ہیں، وہ اس قابل نہیں کہ زبان پر لائے جائیں اور مخاطب کے کانوں تک پہونچائے جائیں اُس طرف اجتماع اور باہمی معاشرت کا اقتضا یہ ہے کہ ایک اپنے ما فی الضمیر کو دوسرے تک پہونچائے، اور اُس معنی پر جو اُس کے ذہن میں ہیں مخاطب کو آگاہ کر سکے، ہاتھوں کے اشارے تمام مقاصد کو سمجھانے میں ناکافی ہیں، اسی ضرورت کے پورا کرنے کیلئے الفاظ کی وضع ہوئی ہے، جب کسی مفہوم کو مخاطب تک پہونچانا ہو تو وہ لفظیں جو اُس معنی کے لیے کسی واضع

پتھر چونکہ جامد ہے، اُس کی جتنی لفظیں ہیں اُن کی آوازمیں ایک قسم کا انجماد پایا جاتا ہے۔ شیر کے جتنے نام ہیں خود اُن کی آواز ڈراونی اور باغ و بہار کے جتنے الفاظ ہیں اُن میں کچھ نہ کچھ شگفتگی لازمی ہے۔

محققین کے نزدیک یہ خیال بالکل باد رہوا ہے۔ اگر الفاظ کے ساتھ معانی کا ارتباط ذاتی ہونے کے سبب کسی واضع کا ممنون احسان نہ ہوتا تو چاہیئے تھا کہ کسی مخصوص معانی رکھنے والے الفاظ سے ہر شخص کا ذہن معنی کی طرف منتقل ہوجایا کرتا اور کسی لغوی تصریح اور وضع واضع پر اطلاع کی حاجت نہ ہوتی ایسی صورت میں افراد بشر کے درمیان زبان کا اختلاف معنی نہیں رکھتا، بلکہ ایک عربی لفظ سے کسی جاہل دیہاتی ہندوستان میں بسنے والے انسان کے اُسی طرح معنی سمجھ میں آتے جس طرح ایک عربی زبان کے فاضل متبحر کی سمجھ میں آتے ہیں، کیونکہ اس خیال کے مطابق خود زبان سے نکلتی ہوئی آوازوں میں ذاتی طور پر ایک مقناطیسی جذب مخصوص معانی کی طرف موجود ہے، جو زبردستی ذہن کو اُن کی طرف منتقل کردیتا ہے۔ الفاظ اور معانی کے خصوصیات میں جو یک جہتی دکھلائی گئی ہے وہ بھی خطابی حیثیت سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی اسد کی لفظ میں کونسی ڈراونی آواز ہے جو فرس بقر وغیرہ میں نہیں ہے اور جب ایک لفظ کے متعدد معنی ہوں کہ جن کے خصوصیات میں ذمیں و

جس کا سبب حروف کی ترکیب اور اُن کی آوازکا اُتار چڑھاؤ نہیں بلکہ وہ معانی ہیں کہ جو اُن الفاظ سے پیدا ہوتے ہیں اور اسی جہت سے الفاظ کی عزت و وقعت اور بلندی اُن معانی کے سبب سے ہوتی ہے جو اُنکے تحت میں مضمر ہیں۔

دہن سے نکلتی ہوئی آواز اور زبان پر آتے ہوئے الفاظ اگر اپنے تحت میں کسی معنی کو نہیں رکھتے تو وہ مہمل ہیں جو کسی عزت کے لائق نہیں بلکہ جس شخص سے صادر ہوں وہ مجنون و سفیہ کہلائے جانیکا مستحق ہے۔

کلام اُسی وقت تک کلام ہو کہ اُس میں الفاظ کے ساتھ معانی کا جنبہ بھی محفوظ ہو۔

قرآن مجید انسانی کلام نہیں بلکہ خالق انسان کا کلام ہے اُس میں یہ دونوں جنبے موجود ہیں۔ لفظ او معنی حفظ کا تعلق انہیں سے ہر ایک کے ساتھ ہوسکتا ہے الفاظ محفوظ ہوں اور معانی کی خبر نہیں یا معانی پر پوری اطلاع ہو لیکن الفاظ از بر یاد نہیں۔ دیکھنے کی بات یہ ہے کہ ان دونوں جہتوں میں اسلامی نقطہ نظر اور عقلی و مذہبی اصول کی بنا پر کون زیادہ اہم اور کارآمد قابل وقعت و عزت ہے۔ کیا صرف الفاظ کو رٹ لینا اور اُن کو از بر یاد کرنا درصورتیکہ معانی کی خبر نہ ہو یا خبر ہو تو مگر ان میں غور و تامل اور نتائج کے استخراج میں غفلت شعاری سے کام لیا جائے کوئی قابل قدر اور اہم صفت ہے، یا یہ کہ معانی میں پورا غور و فکر کر کے اُن کے نتائج و آثار پر عبور حاصل کرنا اگرچہ الفاظ

نے مقرر کردی ہیں زبان پر لائی جائیں۔ اگرچہ براہ راست وہ چیز جو مخاطب تک پہونچے گی لفظیں ہیں لیکن اصالۃً ذہن کی توجہ معنی کی طرف ہوگی اور وہ مفہوم جس کا پہونچانا مقصود ہو پورے طور پر واضح ہو جائے گا لہذا لفظ کی حیثیت معنی کے ساتھ ویسی ہی ہے جیسے عینک کے تال کسی کتاب کے مطالعہ کے وقت کہ براہ راست جلیدیہ (آنکھ کے پردہ) سے نکل کر جو شعاع منطبق ہوتی ہے وہ عینک کے تالوں پر پہلے پڑتی ہے لیکن توجہ کا مرکز بالکل وہ نقوش ہوتے ہیں جو صفحۂ کاغذ پر نقش ہوئے ہیں۔ اسی طرح آئینہ میں صورت دیکھتے وقت اُس کا صاف و شفاف شیشہ بالکل منظور نظر نہیں ہوتا توجہ ساری چہرہ کے خط و خال پر ہوتی ہے، باوجودیکہ آنکھ کے سامنے براہ راست شیشہ ہوا کرتا ہے۔

بالکل یہی مثال الفاظ کی ہے یعنی جو شئے مخاطب کے کانوں تک پہونچتی اور اُسکے ذہن میں داخل ہوتی ہے وہ الفاظ ہیں، لیکن توجہ جو ذہن کو ہوتی ہے وہ اُس معنی کی طرف جس کو الفاظ تبلا رہے ہیں گویا الفاظ اپنے معانی کے اندر فنا کا مرتبہ حاصل کر لیتے ہیں کہ اُن کی ہست و بود بالکل فانی ہو کر عدم کی صورت اختیار کر لیتی ہے، اگرچہ حقیقۃً وہ موجود ہیں۔

لفظ اور معنی کے اسی ارتباط کا نتیجہ ہے کہ معانی کے خصوصیات کا پرتو لفظ پر پڑتا ہے اور خوف و دہشت یا انس و لذت، تازگی و شگفتگی یا افسردگی و پژمردگی جو معانی کے اندر پائی جاتی ہے الفاظ میں بھی وہ اثر پیدا ہو جاتا ہے

كذلك يبين الله آياته للناس لعلهم يتفكرون — خدا یونہی اپنے آیات لوگوں کے لئے بیان کرتا ہے۔ تاکہ وہ لوگ غور و فکر کریں۔

(پ ۴ سورۂ آل عمران)

ایسی ہی بہت سی آیتیں ہیں جن میں غور و فکر و تامل کا حکم دیا گیا ہے جن کا تعلق معانی سے ہوا کرتا ہے لیکن ایک آیت بھی قرآن مجید میں ایسی نہ ملے گی جہاں حفظ الفاظ کی طرف توجہ دلائی گئی ہو۔

اسی سے معلوم ہو جاتا ہے کہ حفظ الفاظ و حفظ معانی میں کون زیادہ اہم ہے؟ یقیناً معانی کا حفظ حضرت باری کی نظر میں پوری اہمیت رکھتا ہے کہ اُس پر مختلف الفاظ میں ترغیب دلائی گئی ہے، لیکن حفظ الفاظ کیطرف توجہ نہ کی گئی۔

حفظ الفاظ کو اگر کوئی فضیلت ہو سکتی ہے تو وہ اسی حیثیت سے کہ اُس کے ذریعہ سے معانی کا استحضار زیادہ ہو، لیکن یہ غرض اُسوقت بالکل منتفی ہو جاتی ہے کہ جب الفاظ نے ذہن کو بالکل مسخر کر لیا ہو اس طرح کہ معانی کی بالکل خبر نہ ہو اور اگر خبر ہے بھی تو توجہ اُنکی طرف نہ پائی جائے۔

الفاظ از بر اور معانی کی طرف سے چشم پوشی کسی طرح قرآن و حدیث کی رو سے قابل استحسان نہیں ہے۔ قرآن مجید ہمیشہ اپنے نقطۂ نظر کو امثال کے ذریعہ سے واضح کرتا ہے ؎ ولقد ضربنا للناس فی القرآن

از بہ یاد نہ ہوں قابل قدر اور زیادہ مستحق اہتمام ہے۔

قرآن مجید میں جا بجا تدبر فی القرآن کا حکم دیا گیا ہے۔

کتاب انزلناه الیک مبارک لیدبروا آیاته (پ ۲۳ سورہ صٓ)

یہ وہ بابرکت کتاب ہے جو ہم نے (تم پر اے رسول) اسلئے نازل کی ہے کہ لوگ اسکی آیتوں میں غور و تامل کریں۔

افلا یتدبرون القرآن ولو کان من عند غیر الله لوجدوا فیه اختلافا کثیرا (پ۵ سورہ نسا)

آخر یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے اگر یہ غیر خدا کی طرف سے ہوتا تو ان کو اسمیں بڑا اختلاف نظر آتا۔

افلا یتدبرون القرآن ام علی قلوب اقفالها۔ (پ ۲۶۔ سورہ محمد)

یہ لوگ قرآن میں تفکر و تامل سے کام کیوں نہیں لیتے یا اُن کے دلوں پر (سچ مچ) قفل ہی لگ گئے ہیں۔

تلک الامثال نضربها للناس وما یعقلها الا العالمون (پ ۱ سورہ بقرہ)

یہ طرح طرح کی مثالیں ہم لوگوں کیلئے پیش کرتے ہیں اور اُن کا سمجھنا اور تعقل کرنا صرف باخبر افراد کا کام ہے۔

کذلک یبین الله لکم آیاته لعلکم تتفکرون۔ (سپارہ ۲۔ سورہ بقرہ)

خدا یونہی اپنے آیات کو تمھارے لئے بیان کرتا ہے تاکہ تم لوگ فکر و تامل کرو۔

احبار الیھود بالحمار لامر عقلی	ہو، اسفار جمع سفر کی ہے جس کے معنی
منتزع من عدۃ امور لانہ	کتاب کے ہیں، اور اس میں شک نہیں
روعی من الحمار فعل مخصوص	کہ وجہ مشابہت یہود کی حمار کے ساتھ
ھو الحمل وان یکون المحمول	امر عقلی ہے جو چند امور سے منتزع ہے
شیئاً مخصوصاً وھو الاسفار	اس لیے کہ حمار میں ایک فعل مخصوص
التی ھی اوعیۃ العلوم وان	یعنی اُٹھائے ہونے کا اعتبار کیا گیا
الحمار جاھل بما فیھا	ہے اور اس بات کا لحاظ ہے کہ وہ
وکذا فی جانب المشبہ	شئے جس کو حمار نے اُٹھایا ہے کتابیں
	ہیں کہ جو ودیعت دار علم ہوا کرتی ہیں

اور پھر یہ کہ گدھا جاہل ہے ان مطالب سے کہ جو ان کتابوں میں ہیں اور یہی صورت مشبہ (یہود) اور حمل توریت میں بھی ہے۔

آیات قرآن جو معیار قائم کردیں اُن میں تغیر و تبدل کی گنجائش نہیں، وجہ شبہ اس آیت میں جب منقح ہوگئی تو کیا ایک ایسا شخص جو الفاظ قرآن کے حفظ میں پوری کوشش صرف کرے اور اُس میں جانفشانی و عرق ریزی کرے، دل و دماغ کو زحمت و تکلیف پہونچائے مگر اُس کے مطالب سے نفع یاب نہو، معانی کی طرف توجہ سے قاصر اور اُس کے حقائق و دقائق کے ادراک سے محروم رہے وہ مضمون آیت کا مصداق نہ ہوگا حالانکہ

من کل مثل "(ہم نے لوگوں کے سمجھانے کے لئے قرآن میں ہر قسم کی مثال ذکر کر دی ہے)

اُس نے اپنے اسی مخصوص رنگ میں ارشاد کیا ہے

مثل الذین حملوا التورٰۃ	مثال ان لوگوں کی جن کو توریت کا
ثم لم یحملوھا کمثل الحمار	حامل بنا دیا گیا پھر وہ اُسکو برداشت
یحمل اسفارا (پ۲۸ سورہ جمعہ)	نہ کر سکے اُس گدھے کی سی ہے جو

کتابوں کو اپنی پشت پر لادے ہوئے ہو۔ علمائے معانی و بیان سے دریافت کرو کہ وجہ مشابہت اس آیت میں کیا ہے۔

محقق تفتازانی مطول میں لکھتے ہیں:۔

العقلی من وجہ التشبیہ	عقلی وجہ شبہ کی مثال منتہا ئے
کحرمان الانتفاع بابلغ نافع	نفع رساں شئے کی منفعت سے محروم
مع تحمل التعب فی استصحابہ	رہنا ہی باوجود برداشت زحمت کے
فی قولہ تعالیٰ مثل الذین	اُسکے ساتھ رکھنے میں اس ارشاد باری
حملوا التورٰیۃ ثم لم یحملوھا	تعالیٰ میں کہ مثال اُن لوگوں کی
کمثل الحمار یحمل اسفارا جمع	جو توریت کے حامل بنائے گئے۔
سفر بکسر السین وھو الکتاب	پھر وہ اُس کو نہ اُٹھا سکے، مثال
ولاشک ان الوجہ التشبیہ فی	حمار کی ہے جو اسفار کو اُٹھائے ہوئے

اسطرح نکلیں گے جیسے تیر نشانہ کو توڑ کر نکلجائے۔ تیر کے پھل میں دیکھو تو شکار کے خون کا کچھ اثر نہ دکھلائی دے، تیر کی لکڑی میں دیکھو تو بھی کچھ اثر نظر نہ آئے گا، تیر کے پروں پر نظر کرو تب بھی کچھ اثر نہ معلوم ہو، اور سوفار میں بھی شک ہو کہ کچھ اثر ہے یا نہیں اسی طرح ان لوگوں کے قرآن پڑھنے کی یہ شان ہوگی کہ ان پر کوئی اثر اُس کا نہ ہوگا، اُن کے دل پر چہرہ پر، دیگر اعضا پر تلاوت قرآن کی تاثیر نہ ہوگی۔

معلوم ہوا کہ ایسا حفظ قرآن جو صرف الفاظ تک محدود ہو اور ایسا قرأت قرآن کرنا جو معانی سے چشم پوشی کے ساتھ ہو نتیجہ بخش نہیں ہے چنانچہ علامہ قسطلانی نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے

یعنی تنفذ السهم المرمی بحیث لم یتعلق به شئ لم یظهر اثره فیه فکذلک قرأتهم لا یحصل لهم منها فائدة

مراد حضرت کی یہ ہے کہ تیر نشانہ سے اس طرح گذر گیا ہو کہ وہ خون سے بالکل آلودہ نہ ہوا اور اُس پر کچھ بھی اثر ظاہر نہ ہوا اسی طرح اُن لوگوں کی قرأت سے اُن کو کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوگا۔

دوسری حدیث عن عبداللہ بن مسعود قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یخرج فی

ابن مسعودؓ سے نقل ہے کہ حضرت رسول نے فرمایا زمانہ کے آخری دور میں ایک ایسی جماعت ظاہر ہوگی جن کی عمریں

مذکورہ بالا وجہ شبہ اسمیں بدرجہ اتم موجود ہے۔

اس قسم کا حفظ قرآن کوئی ممدوح وصف نہیں ہے بلکہ مستند احادیث صحیحہ میں مذمت کے موقع پر پیش کیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو صحیح بخاری صفحہ ۷۵۶، مطبوعہ کرزن پریس لاہور۔

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول یخرج فیکم قوم تحقرون صلوٰتکم مع صلوتھم وصیامکم مع صیامھم وعملکم مع عملھم ویقرأون القرآن لا یجاوز حناجرھم یمرقون من الدین کما یمرق السھم من الرمیۃ ینظر فی النصل فلا یری شیئا وینظر فی القدح فلا یری شیئا وینظر فی الریش فلا یری شیئا ویتماری فی الفوق۔

ابو سعید خدری ناقل ہیں کہ میں نے رسالتمآب کو فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ کچھ لوگ تم میں پیدا ہوں گے کہ جنکی نمازوں کے سامنے تم اپنی نمازوں کو اور اُن کے روزوں کے سامنے اپنے روزوں کو اور اُن کے تمام اعمال کے مقابلہ میں اپنے اعمال کو بے حقیقت سمجھو گے وہ قرآن مجید کو اس طرح پڑھیں گے کہ اُن کے گلوں کے آگے نہ بڑھتا ہوگا، یعنی صرف آوازیں اُن کے گلوں میں گردش کرتی ہوں گی لیکن معانی دل تک نہ پہونچیں گے، وہ دین سے

إذا لم اعدل فقال عمر دعنی	وانصاف سے کام نہیں لیا۔ حضرت
یا رسول اللہ حتی اضرب عنق	نے فرمایا وائے ہو تجھ پر میں نے عدالت
هذا المنافق فقال رسول اللہ	نہیں کی تو میرے سوا کون ہو سکتا ہے
صلی اللہ علیہ وسلم ان هذا	جو عدالت کرے عمر نے عرض کیا کہ مجھ کو
فی اصحاب لہ یقرأون القرآن	اجازت دیجئے اسکو قتل کر ڈالوں،
لا یجاوز تراقیهم الخ	حضرت نے فرمایا (نہیں) یہ ایک ایسی

جماعت کے ساتھ نکلے گا جو قرآن کا ورد کرینگے اسطرح کہ گلوں سے نیچے نہ اترے۔

پانچویں حدیث عن ابن عمر	عبداللہ ابن عمر ناقل ہیں کہ رسالتمآب
ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ	نے فرمایا ایک ایسی نئی جماعت پیدا ہوگی
وسلم قال ینشأ نشو یقرأون	کہ جو قرآن کو پڑھتے ہوں گے اسطرح سے
القرآن لا یجاوز تراقیهم الخ	کہ انکے گلوں کے آگے نہ بڑھے
چھٹی حدیث عن انس بن	انس بن مالک نے روایت کی ہے کہ
مالک قال قال رسول اللہ صلی اللہ	جناب رسالتمآب نے فرمایا ایک جماعت
علیہ وسلم یخرج قوم فی آخر	آخری دور میں یا اس امت میں ایسی
الزمان او فی هذه الامة	ظاہر ہوگی کہ جو قرآن کا ورد کرتے
یقرأون القرآن لا یجاوز تراقیهم	ہوں گے اسطرح کہ انکے گلوں سے
او حلوقهم الخ (ابن ماجہ صفحہ ۳۸)	نیچے نہ اترے۔

۱

اخر الزمان قوم احداث
الاسنان سفهاء الاحلام
یقولون من خیر قول الناس
یقرأون القرآن لا یجاوز تراقیهم الخ
صحیح ابن ماجہ صفحہ ۲۷ طبع مصر

عقلیں ناقص ہوں گی - زبانی انکے
دعوے بڑے اچھے ہوں گے
وہ قرآن کو رٹتے ہوں گے لیکن
اسطرح کہ گلوں سے آگے بڑھنے نہ پاتا ہوگا

تیسری حدیث - عن ابی ذر
قال قال رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم ان بعدی من
امتی قوما یقرأون القرآن
لا یجاوز حلوقهم الخ

ابو ذر غفاری سے روایت کی ہے کہ
رسالتمآب نے فرمایا کہ میرے بعد میری
امت میں ضرور ایسی جماعت آنے والی
ہے جو قرآن کو رٹتے ہوں گے اسطرح
کہ حلق سے تجاوز نہ کرے۔

چوتھی حدیث - عن جابر بن
عبد اللہ قال کان رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم بالجعرانۃ
وهو یقسم التبر والغنائم وهو
فی حجر بلال فقال رجل اعدل
یا محمد فانک لم تعدل فقال
ویلک ومن یعدل بعدی

جابر انصاری کی زبانی منقول ہے کہ
جناب رسالتمآب مقام جعرانہ میں فروکش
تھے۔ بلال کے دامن میں مال غنیمت
کا طلا و نقرہ تھا اور حضرت اسکو
تقسیم فرما رہے تھے۔ ایک شخص نے
حضرت کو نام لے کر آواز دی اور کہا
کہ عدالت سے کام لو تم نے عدالت

والے بھی نہیں جھجکتے، نبوت کا دعویٰ کونسا مشکل ہے لیکن معجزہ وہ ہے جو حق کو باطل سے جدا کر دیتا ہے اور اُس کے باعث سے غلط بیان یا دہ گو مدعیان نبوت کی زبان بندی ہو جاتی اور اُن کے منہ میں قفل لگ جاتے ہیں مبدأ عالم سے جتنے انبیاء گذرے اُن کا معجزہ وقتی تھا اور اُسی عہد کے اشخاص سے تسلیم ختم کرانے کے لئے کافی ہو سکتا تھا، اسی وجہ سے اُس ورق کے ملٹنے کے ساتھ اُن کی نبوتیں بھی افسانۂ ماضی بنگئیں، اگر قرآن وحدیث کی گواہیوں نے ہم کو اُن انبیاء کے صدق کا یقین نہ دلایا ہوتا تو ہم کو اُن کی نبوت کے صحیح تسلیم کرنے کی کوئی وجہ نہ تھی اور اسی وجہ سے عیسائی عاجز ہیں کہ وہ موسوی قوم کے سامنے اپنے مسیح کی نبوت کو ثابت کر سکیں کیونکہ اُن کے پاس اپنے دعویٰ کا ثبوت سوائے مشتبہ اور غیر یقینی قصوں، حکایتوں کے کچھ بھی نہیں موجود ہے اور اسی کے نتیجہ میں دیکھو کہ جن اشخاص کے متعلق اسلامی نصوص نے نبوت کی گواہی نہیں دی ہے، اُن کی نبوت مشتبہ صورت میں باقی رہی اور دنیا کی کوئی طاقت اُن کو صحیح ثابت نہیں کر سکتی۔

وہی اٹکل بازیوں اور تخمینی خیال آرائیوں کی بات دوسری ہے۔ سکندر ذوالقرنین ہوں یا زردشت حکیم یا ہندوستان کے قدیمی دیوتا جنکی قدامت اور بزرگی کی حکایتیں بڑے شد و مد سے نقل کیجاتی ہیں لیکن انکی اصطلاحی نبوت بے اساس احتمالات وتخیلات کے احاطہ سے نکل کر کبھی

اس قسم کے احادیث کا تعلق اگرچہ خوارج نہروان کے ساتھ ہے اور
انھی کے اوصاف کو مختلف پیرایوں میں بیان کیا گیا ہے، لیکن ہم اس با
دکھلانا چاہتے تھے کہ قرآن کا حفظ اس طرح سے کہ وہ الفاظ تک محدود رہے
اور معانی کا اثر نفس پر نہ پڑے مذہبی نقطۂ نظر سے کوئی قابل مدح صفت نہیں
ہے بلکہ مذمت کے موقع پر ذکر کا مستحق ہے اور یہ امر مذکورۂ بالا احادیث سے
صاف ظاہر ہے۔

قرآن مجید کی تلاوت و قرائت
اور اُسکے فوائد

الفاظ و معانی کے مخصوص ارتباط کا فلسفہ جو سابق میں بیان کیا جا چکا ہے
اس پر نظر رکھتے ہوئے قرآن مجید کی مزاولت اور اُس پر تکرار نظر کے جتنے فوائد
ہو سکتے ہیں اُن کا تعلق معانی کے ساتھ الفاظ سے زیادہ ہے۔ وہ اصولی
فوائد و غایات جن کا حصول قرآن مجید کے مذاکرہ اور مطالعہ سے ہو سکتا ہے
اُن کو سلسلہ وار لکھکر ہم دکھلا دیں گے کہ اُن کے اندر الفاظ کو زیادہ دخل
حاصل ہے یا معانی کو؟

پہلا فائدہ۔ ہر پیغمبر کے صدق کا ثبوت معجزہ پر موقوف ہے، یہی وہ شئے ہے
جو سچائی کی کسوٹی اور حقانیت کا معیار ہے ورنہ زبان سے تو انا اللہ کہدینے

بعض مستشرقین اہل مغرب کا خیال ضرور ہے کہ الفاظ قرآن میں ایک موسیقی آمیز اور ترنم خیز کیفیت پائی جاتی ہے اور وہی اس کے اندر مقناطیسی کشش پیدا کرنے کی ذمہ دار ہے لیکن یہ خیال مضحکہ خیز اور درحقیقت قرآن کی اعجازی طاقت کے مقابلہ میں اپنی شکست کا اعتراف ہے، اعجاز قرآن کا تعلق اُن وجوہ فصاحت اور لطائف ترتیب و نظم کلام سے ہے جن کو آیات قرآن اپنے دامن میں لئے ہوئے ہیں اور اس بنا پر یہ فائدہ مخصوص ہے اُنہی افراد سے جو معانی قرآن اور اُن کے ارتباط و انتظام اور انہی کے اعتبار سے الفاظ کی مناسبت و تناسل کا اندازہ کرنے کی صلاحیت رکھیں۔ صرف الفاظ شناس اور حروف آشنا شخص کے لئے اس سے بہرہ یاب ہونے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے، بلکہ محققین نے یہ طے کیا ہے کہ معانی سے قطع نظر کر کے اگر دیکھا جائے تو کسی کلام میں کوئی فضیلت و حسن پیدا ہی نہیں ہو سکتا اور نہ ایک کلام کو دوسرے پر کوئی امتیاز و فوقیت حاصل ہے بلکہ تفرقہ و امتیاز دو کلاموں میں جو کچھ بھی پیدا ہوتا ہے وہ الفاظ و معانی کی اجتماعی حیثیت سے۔

جب فضیلت و امتیاز اور بلاغت کلام معانی سے وابستہ ہے تو ظاہر ہے کہ یہی فضیلت و بلاغت بڑھتے بڑھتے قرآن میں روح اعجاز بن گئی ہے لہذا اعجاز بھی معانی ہی سے وابستہ ہو سکتا ہے۔

یقینیات کے دائرہ میں داخل نہیں ہو سکتی۔"

یہ رسول اسلام کی خصوصیت تھی کہ خداوند عالم کی جانب سے آپ کو جہاں وہ ہزاروں معجزات عطا ہوئے جو انبیائے سابقین کے معجزات کی طرح وقتی حیثیت رکھتے تھے۔ اُن کے علاوہ سب سے روشن اور حیرت انگیز معجزہ (قرآن) عطا ہوا ہے جو ایک مخصوص وقت پر بول کر ساکت ہو جانے والا گواہ نہیں اور نہ ایک دفعہ روشن ہو کر خاموش ہو جانے والا چراغ ہے بلکہ وہ بقاء دوام اور ابدی حیثیت کا مالک ہے اور ہمیشہ خاتم الانبیاء کی نبوت پر روشنی ڈالنے کیلئے موجود ہے۔

اس کے ذریعہ سے ہر عہد میں منکر رسالت پر حجت خدا تمام اور حقانیت کا چراغ پوری جلوہ آرائی کے ساتھ روشن ہے لہذا یہ کتاب ایسی ہے جس پر اطلاع حاصل کرنے سے نبوت رسالتمآب تقلیدی دائرہ سے نکل کر تحقیقی حدود میں آجاتی ہے اور ایمان بالرسول کی روح تازہ ہوتی رہتی ہے۔

یہ بہت بڑا قرآن کا فائدہ ہے جس پر اسلامی حقائق کی بنیاد اور اخروی نجات کا دارومدار ہے۔ سطحی نظروں سے دیکھنے پر شبہ ہو سکتا ہے کہ اس فائدہ کا تعلق معانی سے نہیں بلکہ الفاظ کے ساتھ ہے لیکن تھوڑے سے تامل کے بعد یہ امر یقینی ہو جاتا ہے کہ صرف الفاظ سے یہ فائدہ قطعی حاصل نہیں ہو سکتا۔

والثالثة بالرابعة وهكذا
الى ان تستغرقها الى اخرها و
ان الفضل نتائج ما بينها وحصل
من مجموعها ان شكلت فتامل
هل ترى لفظة منها بحيث لو اخذت
من بين اخواتها وافردت
لادت من الفصاحة ما تؤديه
وهي في مكانها من الاية قل
(ابلعي) واعتبرها وحدها
من غير ان تنظر الى ما قبلها
والى ما بعدها وكذلك فاعتبر
سائر ما يليها وكيف بالشك في
ذلك ومعلوم ان مبدأ
العظمة في ان نوديت الارض
ثم امرت ثم ان كان النداء
بيا دون اي نحو يا ايتها الارض
ثم اضافة الماء الى الكاف دون

دوسرے کلمہ کے ساتھ ربط سے تعلق
رکھتی ہے اور یہ خوبی و شرف نہیں پیدا
ہوا ہے مگر اس لحاظ سے کہ پہلا کلمہ
دوسرے کلمہ سے اور دوسرا تیسرے
سے اور تیسرا چوتھے سے۔ اسی طرح آخر
آیت تک دست و گریباں ہے۔ اور
اسی زبردست تسلسل اور جوڑ کے اندر
فضیلت کی پیدائش ہوئی ہے۔ اچھا
اگر اس میں شک ہو تو یوں سمجھو کہ کیا انہیں
سے کوئی لفظ بھی ایسی ہے کہ اگر اپنی
ہمسایہ لفظوں کے پاس سے ہٹالی جائے
اور تنہا کر دی جائے تو وہ اسی طرح
فصاحت کے حق کو ادا کر دے گی جسطرح
وہ اپنی جگہ پر رہتے ہوئے ادا کر رہی
ہے جو کہو (ابلعی) اور صرف اسی لفظ پر
نگاہ ڈالو بغیر اس کے کہ اس کے قبل و
بعد کے الفاظ پر نظر کرو۔ اسی طرح دیگر

علامہ عبدالقاہر جرجانی اپنی کتاب دلائل الاعجاز صفحہ ۳۰ میں اس امر کے اثبات میں کہ اعجاز اور فضیلت کا نشو ونما معانی سے ہوتا ہے نہ صرف الفاظ سے رقمطراز ہیں:-

هل تشك اذا فكرت فی قوله تعالی (وقیل یا ارض ابلعی ماءك ویا سماء اقلعی وغیض الماء وقضی الامر واستوت علی الجودی وقیل بعدا للقوم الظالمین) فتجلی لك منها الاعجاز وبهرك الذی تری وتسمع انك لم تجد ما وجدت من المزیة الظاهرة والفضیلة القاهرة الا لامر یرجع الی ارتباط هذه الکلم بعضها ببعض وان لم یعرض لها الحسن والشرف الا من حیث لاقت الاولی بالثانیة

جب اس آیت میں غور کرو کہ یہ کہا گیا اے زمین نگل لے اپنے پانی کو اور اے آسمان تو صاف ہوجا اور پانی تہ نشین کردیا گیا اور جو ہونا تھا وہ ہوچکا اور کشتی نوح کوہ جودی پر ٹھہری اور کہا گیا کہ رحمت خدا سے دوری ہو ظالم گروہ کیلئے، اور تمہارے سامنے اس آیت سے شان اعجاز ہویدا ہوئی اور بلاغت کے جلوہ آرا منظر نے محو حیرت بنا دیا تو کیا اس بات میں شک ہو سکتا ہے کہ یہ کھلی ہوئی خصوصیت اور ہمت شکن فضیلت جو اس کلام میں تمکو دکھلائی دی ہے یہ نہیں ہے مگر ایسی جہت سے کہ جو ایک کلمہ کے

من هذه الخصائص التي
تملأك بالاعجاز روعة و
تحضرك عند تصورها
هيبة تحيط بالنفس من
اقطارها تعلقا باللفظ من
حيث هو صوت مسموع و
حروف تتوالى في النطق ام كل
ذلك لما بين معاني الالفاظ
من الاتساق العجيب فقد
اتضح اذن اتضاحا لا يدع
للشك مجالا ان الالفاظ لا
تتفاضل من حيث هي الفاظ
مجردة ولا من حيث هي كلم
مفردة وان الالفاظ تثبت
لها الفضيلة وخلافها في ملائمة
معنى اللفظة لمعنى التي تليها او
ما اشبه ذلك مما لا تعلق له

غرض بھی فوت ہوتی ہے) پھر ارض کی لفظ
کو ضمیر کاف کی طرف مضاف کیا گیا نہ
یہ کہ کہا جائے (ابلعی الماء) جس سے
اس امر کی طرف ضمنی اشارہ ہو گیا کہ زمین
ہی کا حق ہے کہ وہ اس پانی کو جذب
کرے کیونکہ وہ زمین ہی سے ابلا ہوا
ہے اور کل شئ یرجع الی اصلہ
کے مشہور فلسفہ پر بھی روشنی پڑ گئی)۔
پھر یہ کہ زمین کی ندا اور اس کے شایان
شان حکم دینے کے بعد آسمان کو ندا کی گئی
اور اس کو بھی ویسا ہی حکم دیا گیا جو اس سے
تعلق رکھتا تھا (یعنی یہ کہ وہ اپنے اوپر
چھائے ہوئے بادلوں کی چھتگیری کو
کھول دے اور اس طرح وہ بارش کا سلسلہ
جس نے عالم عنصریات کو غرق آب
کر دیا ہے منقطع ہو جائے) پھر کہا گیا وغیض
الماء (جو در حقیقت سابقہ احکام کے

ان یقال ابلعی الماء ثم ان اتبع
نداء الارض وامرها بما هو
من شانها نداء السماء وامرها
کذلک بما یخصها ثم ان قیل
وغیض الماء فجاء الفعل
علی صیغة فعل الذی الدال علی
انہ لم یغض الا بامر آمر و
قدرة قادر ثم تاکید
ذلک وتقریرہ بقولہ تعالی
(وقضی الامر) ثم ذکر ما ہو
فائدة ہذہ الامور
وہو (استوت علی الجودی)
ثم اضمار السفینة قبل
الذکر کما ہو شرط الفخامة
والدلالة علی عظم الشان
ثم مقابلة قیل فی الخاتمة
بقیل فی الفاتحة افتری لشیٔ

بعد والی لفظوں کو تنہا تنہا دیکھو (تو کیا اسمیں
کچھ بھی فصاحت باقی رہتی ہے ؟) یہ یقینی
بات ہے کہ جو کچھ عظمت اس کلام میں پیدا
ہوئی ہے وہ اس بات سے ہے کہ پہلے
زمین کو آواز دی گئی (جو آنے والے حکم
کی اہمیت کو بتلا کر زمین کو تو نہیں لیکن
سننے والے کو ہمہ تن گوش بنا لیتی ہے)
پھر اس کو حکم دیا گیا (جسمیں ارادہ تکوینیہ
کو تشریعی لباس میں امر کن کا نمونہ بنا کر
پیش کیا گیا ہے اور اس میں نافرمانی اور
خلاف ورزی کی گنجائش نہیں) پھر یہ کہ
ندا حرف یا کے ساتھ ہوئی۔ ندا ای کیساتھ
جیسے یا ایتہا الارض (کیونکہ اس دوسری
عبارت میں کلام کی بے ساختگی کو ایک
غیر معمولی دھچکا لگتا ہے اور تمام طبقات
ارض کو شخص واحد فرض کر کے اسکے
نام کو علم کی صورت میں پیش کرنے کی

موجود ہوتے ہیں ؟ یا ایسا نہیں ہے۔ بلکہ یہ سب اُس بے مثال اور عجیب و غریب انتظام و تسلسل کا نتیجہ ہے جو اُن الفاظ کے معانی میں ودیعت ہے ؟ یہ امر بالکل واضح ہو جاتا ہے۔ اس طرح کہ شک کی گنجائش نہیں کہ الفاظ میں امتیاز و تفوق صرف الفاظ ہونے کی حیثیت سے پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ الفاظ کی بلندی و رفعت اُس چسپیدگی اور ارتباط کا نتیجہ ہے جو اُن الفاظ کے معانی میں پایا جاتا ہے یا ور ایسے ہی خصوصیات کا جو تنہا الفاظ کے ساتھ تعلق نہیں رکھتے ہیں۔"

ہم نے یہ پورا کلام باوجود غیر معمولی طول رکھنے کے اسی جہت سے نقل کر دیا کہ اُس کے بعد اس میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا کہ اعجاز قرآن کا تعلق معانی کے ساتھ ہے، صرف الفاظ کے ساتھ نہیں ہے۔

دوسرا فائدہ

قرآن مجید اسلامی قوانین و احکام کا مجموعہ ہے۔ اسلئے اس میں ایسے ہدایات موجود ہیں جن پر عمل کرنا انسانی فلاح و نجاح کا ذمہ دار ہے۔ اُس میں انفرادی اور اجتماعی زندگی کے لیے ایسے سبق ہیں جن پر عمل پیرا ہونا جامعۂ بشری کی حقیقی ترقی اور صحیح شیرازہ بندی کا ضامن ہے۔ اُس نے عبادات، معاملات، حدود، دیات، مواریث، عقود، فرائض شخصی اور معاشرت باہمی کسی شعبہ کو تشنہ نہیں چھوڑا ہے، اور ہر ایک کی نسبت جزئی یا کلی، اجمالی یا تفصیلی بیانات موجود ہیں۔

اسلیے ایک انسان حقائق قرآنی کی معرفت کے ساتھ صحیح معنی میں

تصریح اللفظ۔ نفاذ اور اُن کے نتیجہ کا اعلان ہے)

(دلائل الاعجاز مطبوعہ مصر ص۳۱) اور فعل مجہول لایا گیا جس سے معلوم ہوتا

ہے کہ پانی جو تہ نشین ہوا وہ ایک حاکم کے حکم اور قادر ہستی کی قدرت سے (نہ خود بخود)

پھر اُس کی تاکید کی گئی قول خدا (وقضی الامر) کے ساتھ (اور اس طرح عذاب سے

ہلاک شدہ اقوام کے آخری انجام کو مختصر سے جملہ میں بیان کرتے ہوئے الٰہی سلطنت

کے پُر زور ارادہ اور اُسکی وسیع طاقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے) پھر ان سب باتوں

سے جو فائدہ اور حقیقی غایت تھی اُس کو "استوت علی الجودی" کہکر ظاہر کیا گیا۔

(اور یہ دکھلا دیا گیا کہ عذاب عظیم کے عالمگیر مصائب سے کس طرح خدا کے مخصوص

بندے نجات پا جاتے ہیں) پھر سفینہ (کشتی نوح) کی طرف اُس کا تذکرہ کیے بغیر ضمیر

پھیری گئی جو عظمت شان کی مظہر ہے (یعنی موقع کی اہمیت و نزاکت کو دیکھتے ہوئے

مخاطب کے ذہن میں اُس کشتی کا خیال ہونا ضروری ہے اور وہ اس کی مستحق ہے

کہ اُس کا اشارہ سنتے ہی ذہن اُس کی طرف منتقل ہو جائے) پھر ابتدائے کلام میں جو

قیل کی لفظ تھی اُسکی موافقت میں خاتمہ کے اندر بھی لفظ قیل کا اعادہ کیا گیا۔

(قیل بعدا للقوم الظالمین) کیا یہ خصوصیات جو اپنی اعجازی شان سے دہشت

میں ڈال دیتے ہیں اور اُن کے تصور سے ایسی ہیبت ہوتی ہے جو نفس کو تمام اطراف

سے گھیر لیتی ہے۔ اُن کو کچھ تعلق الفاظ کی اس حیثیت کے ساتھ ہے کہ وہ دہن سے

نکلتی ہوئی آواز ہے جو گوش گذار ہوتی ہے اور حروف ہیں جو بات کرنے میں پہلو بہ پہلو

آیات کو بڑی کوشش سے رٹنے والا اور حفظ کرنے والا اُن تمدنی و اجتماعی تعلیمات سے کوئی فائدہ اٹھا سکتا ہے جو ان آیات میں مضمر ہیں۔ یقیناً اس فائدہ کا تمامتر انحصار ان آیات کے معانی سمجھنے اور اُن کے محفوظ رکھنے کے اوپر ہے اور اُس کا صرف الفاظ کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔

تیسرا فائدہ قرآن مجید میں امم سابقہ کے واقعات اور انبیائے سلف کے حالات بیان کئے گئے ہیں۔ اس غرض سے کہ امت اُن سے سبق لے اور عبرت حاصل کرے جیسا کہ ارشاد ہوا فاقصص القصص لعلھم یتفکرون " ان کے سامنے واقعات و حالات کا تذکرہ کرو تاکہ یہ غور و فکر سے کام لیں " لقد کان فی قصصھم عبرۃ لاولی الالباب " اُن کے قصوں میں صاحبان عقل کے لیے سبق ہیں۔ وکلا نقص علیک من انباء الرسل ما نثبت بہ فؤادک وجاءک فی ھٰذہ الحق وموعظۃ وذکریٰ للمؤمنین " ہر ایک بات جو انبیاء کے واقعات میں سے ہم تمھارے سامنے پیش کرتے ہیں وہ ایسی ہی ہے کہ جس کے ذریعہ سے تمھارے دل کو اطمینان حاصل ہو اور اسی کے ذیل میں تمھاری جانب حق کی تبلیغ ہوتی اور مومنین کے لئے نصیحتیں اور یادداشتیں پیش کیجاتی ہیں "

لیکن یہ فائدہ سورۂ قصص کو از بر یاد کرنے اور سورۂ یوسف کے زبانی

انسان بن سکتا ہے۔ لیکن یہ اسی وقت ہے جب قرآن مجید کے معانی پر اطلاع حاصل کرے اور اسکے مطالب سے باخبر ہو۔

زبان سے اذا قمتم الی الصلوٰۃ فاغسلوا وجوھکم وایدیکم الخ اور ان کنتم جنبا فاطھروا الخ اور ان الصلوٰۃ کانت علی المؤمنین کتابا الخ اور کتب علیکم الصیام اور ﷲ علی الناس حج البیت اور اٰتوا الزکوٰۃ کہنے والا اور اسے ازبر یاد کر لینے والا وضو غسل۔ نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ کے مسائل سے واقف نہیں ہو سکتا اور نہ لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارۃ عن تراض اور احل اللہ البیع وحرم الربوا اور فانکحوا ما طاب من النساء مثنی وثلث ورباع اور اذا طلقتم النساء فطلقوھن لعدتھن کے الفاظ کو محفوظ کرنیوالا تجارت بیع۔ ربوا۔ نکاح۔ طلاق۔ کے احکام پر مطلع سمجھا جا سکتا ہے۔ اور نہ کتب علیکم القصاص فی القتلیٰ اور الاذن بالاذن والسن بالسن اور یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین وغیرہ آیات کا ورد کرنے والا قصاص۔ دیات اور میراث کے مسائل پر عامل بننے کا مدعی ہو سکتا ہے۔ اور نہ اصلحوا ذات بینکم لا تنابزوا بالالقاب۔ لا یغتب بعضکم بعضا۔ انما المومنون اخوۃ۔ الفتنۃ اشد من القتل لا تفسدوا فی الارض وغیرہ

قرآن مجید میں اسی حیثیت سے معارف دینیہ و عقائد ملیہ کے اوپر ایسے مضبوط عقلی دلائل کا بھی تذکرہ ہے جن سے ایک الہامی و ربانی علم کلام کی تدوین ہوتی ہے۔ ان آیات پر غور کرنے سے عقل انسانی بیدار ہوتی اور خود اپنے ان جواہر ریزوں سے باخبر ہوتی ہے جو توہمات و شکوک کے خاشاک نے غبار آلود یا مدفون کر دیے ہیں لیکن یہ فائدہ تو جب ہی حاصل ہو سکتا ہے جب قرآن مجید کے معانی کو صحیح غور و خوض کے ساتھ دیکھا جائے۔ نہ یہ کہ اس کے الفاظ کو رٹ کر اسکے آیات کو محفوظ کیا جائے۔

چھٹا فائدہ

قرآن نے بہت سے ان تاریخی حقائق کو ان کے اصلی خط و خال کے ساتھ پیش کیا جن کو یہود و نصاریٰ کی دستبرد اور کثرت ہیونت نے توریت و انجیل اور ان کے ملحقہ کتب و رسائل میں مسخ کر کے غلط صورت سے پیش کر دیا تھا اور جن سے انبیاء کے دامن عصمت اور ان کی پاکیزگی کے متعلق طرح طرح کی غلط فہمیوں کے ساتھ گمراہی کا اچھا خاصہ ذخیرہ دہیا ہو گیا تھا۔ قرآن نے ان صحیح واقعات کو پیش کر کے ان غلطیوں کا استیصال کیا اور حقیقت کو واشگاف کیا اور اس طرح تاریخی تحقیقات کے اہم فرض کو انجام دیا لیکن اس سے فائدہ جبھی تو اٹھایا جا سکتا ہے جب انسان ان آیات کو سمجھنے کی بھی کوشش کرے صرف ان کے الفاظ کو زبانی یاد کر لینا اس فائدہ کو کبھی حاصل نہیں کر سکتا۔

حفظ کرنے اور سورہ ھود کے بخوبی رٹنے اور سورۂ شعراء کے مکرر سہ کرر ورد کرنے سے حاصل نہیں ہو سکتا جبکہ معانی اُن کے غیر مفہوم اور لامعلوم ہوں بلکہ ضرورت ہے کہ اُن تمام سورتوں اور آیتوں کے معانی سمجھے اور محفوظ کیے جائیں جنمیں ان واقعات کا تذکرہ ہے اور اُسی وقت یہ غرض و مقصد پورا ہو سکتا ہے لہذا اس فائدہ کا تعلق بھی معانی کے ساتھ ہے، الفاظ کیساتھ نہیں ہے۔

چوتھا فائدہ قرآن مجید میں وعدہ و وعید کا باب خاص طور سے تحریک عمل کے لیے ہے اور اُس کا مقصود یہ ہے کہ ثواب آخرت کے مژدے جو عمل نیک کا ثمرہ اور عقاب اُخروی کے تذکرے جو بد اعمالی کا نتیجہ ہیں انسانی طبائع میں جذبہ پیدا کر کے اطاعت سے قریب اور معصیت سے دور کریں لیکن یہ فائدہ صرف الفاظ سے کبھی حاصل نہیں ہو سکتا بلکہ معانی کے سمجھنے محفوظ کرنے کی ضرورت ہے۔

پانچواں فائدہ اصول عقائد تمام تر عقل پر مبنی ہیں اور عقلی دلائل وہ ہیں جو توحید و نبوت کے مسائل میں انسان کے راہنما ہیں لیکن اوہام اور وساوس نفسانی اکثر عقلی ادراکات پر پردہ ڈالکر اُس کو ضلالت و گمراہی میں مبتلا کر دیتے ہیں۔

انبیاء و مرسلین کے ہدایات اُن عقلی ادراکات کے آئینہ پر سے توہمات کا غبار ہٹا کر اُسکو جلا کرتے اور عقل کو ہوشیار و بیدار کرتے ہیں۔

گرانقدر علمی خزانے اور گنجینے مضمر ہیں اور اس لیے عربی علم ادب دنیا کے تحقیقاتی معلومات کا ایک خزانۂ عامرہ ہے جس سے سب کچھ حاصل ہو سکتا ہے اور اس خزانہ کا بہت بڑا دروازہ قرآن مجید ہے۔

اس لیے معانی۔ بیان۔ لغت نحو تصریف۔ اور دیگر فنون بلاغت میں قرآنی آیات کے شواہد کا وسیع ذخیرہ دستیاب ہوتا ہے۔ لیکن رحم کے قابل ہیں ایسے اشخاص جو اپنی عمر کا بڑا حصہ قرآن مجید کے اوپر صرف کر دیں مگر وہ اُسکے لفظی حفظ تک محدود رہے۔ اور اُس کے ودیعت شدہ محاسن اور خصوصیات و شواہد سے محروم ہی لے رہے ہوں۔

دسواں فائدہ قرآن مجید کے دل ہلا دینے والے مواعظ۔ خوف الٰہی سے دل کو معمور کر دینے والے انسانی بنیادِ ہستی کو لرزہ براندام کر دینے والے۔ غرورِ ہستی کے سر کو پاش پاش کر دینے والے تزکیۂ نفس کا باعث ارتقائے روحانی کا سبب مگر اُسی وقت جب فکر و نظر نے معانی کو سمجھا۔ اور اُس سے اثر لیا ہو اور صرف الفاظ میں اپنے تئیں اُلجھا نہ دیا ہو۔

اس بیان سے ہمارے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جتنے فوائد قرآن مجید کے متصور ہو سکتے ہیں وہ سب اُس کے معانی ہی کی فہم و اطلاع سے وابستہ ہیں۔ دنیا والے کہ جو صرف اُس کے الفاظ کے حفظ کرنے میں اپنی عمر کے بڑے حصہ کو تلف کر دیتے ہیں وہ کسی طرح ان فوائد سے بہرہ مند نہیں ہوتے۔

ساتواں فائدہ اسلامی احکام کا بہت سا ذخیرہ احادیث میں بھی موجود ہے جن سے صحت سند اور معتبر ہونے کی شرط کے ساتھ فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ اور اُن کے اوپر عمل کرنا لازم ہے۔ لیکن احادیث میں راویوں کی بھول چوک یا کثرت روایت نے اکثر جگہ تعارض اور اختلاف کی صورت پیدا کر دی ہے جس کے لیے کتاب خدا حکم قرار دی گئی ہے۔ اور یہ کہا ہے کہ حدیثوں کو کتاب خدا کے اوپر پیش کرو۔ جو اُس کے عمومات و اطلاقات کے موافق نکلے اُس کو لے لو اور جو مخالف ہو اُسے ترک کر دو لیکن اس عظیم مقصد کے لیے فائدہ اٹھانے کا حق اُن ہی لوگوں کو ہے جو قرآن مجید کے عمومات و خصوصات، مطلقات و مقیدات پر حاوی اور اُن کے معانی پر عبور رکھتے ہیں صرف الفاظ کے رٹنے میں اپنی ہستی کو فنا کرنے والے افراد کبھی اس مقصد کو حاصل نہیں کر سکتے۔

آٹھواں فائدہ قرآنی آیات میں اسرار قدرت اور رموز عالم طبیعت کے متعلق وہ عظیم دنیائے معلومات ہے، جس کے طے کرنے میں بڑے سے بڑے فلسفی اور ماہر علوم طبیعیات کے قدم بھی عاجز ہیں لیکن کیا نتیجہ اُس وقت جب الفاظ کے حفظ میں معانی کی خبر نہ ہو اور مطالب سے مطلب نہ رکھا گیا ہو۔

نواں فائدہ عربی ایک مقتدر اور وسیع الاحاطہ زبان ہے جس میں

قال ابن عمر رضی اللہ عنہما عشنا
برھۃ من الدھر وان احدنا
یؤتی الایمان قبل القرآن وتنزل
السورۃ فیعلم حلالھا وحرامھا
وامرھا وزاجرھا وما ینبغی ان
یتوقف عندہ منھا ولقد
رأیت رجالا یؤتی احدھم
القرآن قبل الایمان فیقرأ ما
بین فاتحۃ الکتاب الی خاتمتہ
لا یدری ما امرہ ولا زاجرہ
وما ینبغی ان یقف عندہ و
ینثرہ نثر الدقل۔

حضرت عبد اللہ بن عمر فرماتے تھے کہ ایک
زمانہ تھا کہ ہم لوگ (صحابہ) ایمان کو حاصل
کرتے تھے قبل اس کے کہ قرآن کو حفظ کریں
اور سورۃ نازل ہوتا تھا تو ہم لوگ اسکے
حلال حرام امر نہی قابل غور مشکلات
کی معرفت حاصل کر لیتے تھے (حفظ کو
چنداں اہم نہ سمجھتے تھے) لیکن اب تو
اکثر اشخاص نظر آتے ہیں جنھیں قرآن حفظ
ہو جاتا ہے مگر ایمان کا پتہ نہیں ہے وہ
شروع سے لیکر آخر تک قرآن حفظ
کر ڈالتے ہیں مگر انھیں یہ خبر نہیں ہوتی کہ
کون آیات حکم پر مشتمل ہیں اور کون ممانعت
پر کن آیات میں توقف کی ضرورت ہے۔ وہ قرآن کو اس طرح بکھراتے ہیں جیسے
خراب خشک خرمے بکھرائے جاتے ہیں۔

عراقی نے کہا ہے کہ اخرجہ الطبرانی فی الاوسط والحاکم فی
المستدرک من روایۃ قاسم بن عوف الشیبانی قال سمعت
ابن عمر یقول۔ اس روایت کو طبرانی نے اوسط میں اور حاکم نے مستدرک

سلف صالحین اور صدر اسلام کے اکابر ملت نے اس رویّہ سے اوپر افسوس کیا ہے اور قرآن مجید کے اہم پہلو یعنی تدبّر و عمل سے کنارہ کشی کے ساتھ اُس کے غیر اہم پہلو یعنی حفظ قرآن میں پوری توجہ و انہماک پر اپنے رنج و صدمہ کا اظہار کیا ہے۔ ملاحظہ ہو سید مرتضیٰ زبیدی شارح قاموس کی کتاب (اتحاف السادۃ المتقین فی شرح احیاء علوم الدین) مطبوعہ مصر ج ۱ ص ۲۷۷

اخرج الخطیب فی کتاب الاقتضاء من روایۃ عبد الصمد بن یزید قال سمعت الفضیل یقول انما نزل القرآن لیعمل به فاتخذ الناس قرأته عملا قال قیل کیف العمل به قال ای لیحلوا حلاله ویحرموا حرامه ویأتمروا باوامره وینتهوا عن نواهیه ویقفوا عند عجائبه

"فضیل کا قول ہے کہ قرآن نازل ہوا تھا اس لیے کہ اُس پر عمل کیا جائے لیکن لوگوں نے اُس کے حفظ کرنے کو عمل کا قائم مقام بنا لیا۔ کسی نے پوچھا اُس پر عمل کرنے کے کیا معنی ہیں۔ کہا اس کے معنی یہ ہیں کہ اُس کے حلال کو حلال سمجھیں اُس کے حرام کو حرام سمجھیں، اُس کے احکام کو بجا لائیں۔ اور اُس کے ممنوعات کو ترک کریں، اُس کے عجیب اسرار و رموز پر غور و خوض کے لیے توقف کریں"

ص ۲۲۳ - ۲۲۴ میں ہے۔

قبل القرآن وسیأتی بعدکم
قوم یؤتون القرآن قبل الایمان
ویقیمون حروفہ ویضیعون
حدودہ ویقولون قرأنا
القرآن فمن اقرأ منا وعلمنا
فمن اعلم منا فذلك حظہم
منہ ـــــ وفی لفظ اخر اولئك
شرار ہذہ الامۃ
ھکذا اوردہ صاحب القوت

لیکن آیندہ ایسے لوگ آنے والے ہیں جو
حفظ قرآن کرلیں گے قبل اس کے کہ ایمان
حاصل کریں، وہ حروف و الفاظ قرآن
کو خوب ادا کریں گے لیکن اس کے حدود
اور احکام کو ضائع کریں گے وہ فخر کرینگے
کہیں گے کہ ہم نے قرآن کو حفظ کیا ہے
کون ہم سے زیادہ حافظ قرآن ہے اور
ہمیں اس کا علم ہے تو کون ہم سے زیادہ
علم رکھتا ہے۔ بس ان کا حصہ یہی ہوگا۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ یہ لوگ اس امت کے بدترین اشخاص ہیں۔
صاحب قوت القلوب نے اس روایت کو اسی صورت سے نقل کیا ہے۔

عن جندب قال کنا مع النبی
صلی اللہ علیہ وسلم ونحن
فتیان فتعلمنا الایمان قبل
ان نتعلم القرآن ثم تعلمنا
القرآن فازددنا بہ ایمانا
واسنادہ صحیح رواہ الطبرانی

جندب کی روایت ہے کہ ہم رسالتمآب
کی صحبت سے شرفیاب تھے اور اسوقت
ہمارا جوانی کا عالم تھا۔ ہم نے اصول
ایمان کو پہلے حاصل کیا پھر قرآن کی
تعلیم حاصل کی جب قرآن کی تعلیم
لی تو ایمان میں اور اضافہ ہوا۔ اس

میں قاسم بن عوف شیبانی کے واسطہ سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے کہا
میں نے عبداللہ بن عمر کو فرماتے سُنا۔

قال الحاکم صحیح علی شرط الشیخین ولا اعرف لہ علۃ ولم یخرجاہ

"حاکم نے کہا ہے کہ یہ شیخین یعنی بخاری اور مسلم کے معیار پر صحیح روایت ہے میں
اس میں کوئی علت نہیں پاتا جسکی وجہ سے شیخین نے اسکو ترک کیا ہو۔"

واخرج ابن جریر فی تفسیرہ
عن حذیفۃ بن الیمان ان
رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم ذکر ان فی امتہ قوما
یقرأون القرآن ینثرونہ
نثر الدقل یتأولونہ علی
غیر تاویلہ لا یجاوز تراقیہم
تسبق قرأتھم ایمانھم۔

ابن جریر نے اپنی تفسیر میں حذیفہ بن یمان
سے روایت کی ہے کہ حضرت نے ذکر
فرمایا کہ آپ کی امت میں ایک ایسی جماعت
ہوگی جو قرآن کو حفظ کرے گی۔ وہ قرآن کو
اس طرح بکھرائیں گے جیسے خراب خشک
خرمے بکھرائے جاتے ہیں۔ وہ اُس کو غلط
معنی پہنائینگے۔ قرآن اُن کے گلوں سے
آگے نہ بڑھے گا۔ انھیں قرآن حفظ ہوگا۔
بغیر اسکے کہ ایمان حاصل ہو۔

وفی خبر آخر معناہ کنا
اصحاب رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم اوتینا الایمان

ایک اور روایت میں ہے کہ ہم اصحاب رسول
ایمان کے درجہ کو حاصل کرتے تھے قبل
اس کے کہ حفظ قرآن کی کوشش کریں

قال ذكر النبي صلى الله عليه	رسالتمآب نے کسی بات کا ذکر کیا اور فرمایا یہ
وسلم شيئا فقال ذلك	اُسوقت ہوگا جب علم دنیا سے اُٹھ جائے گا
عند اوان ذهاب العلم	میں نے عرض کیا علم کیونکر اُٹھے گا حالانکہ
قلت يا رسول الله وكيف	ہم قرآن کو حفظ کرتے ہیں اور اپنے بچوں کو
يذهب العلم ونحن	حفظ کراتے ہیں اور وہ اپنے بچوں کو حفظ
نقرأ القرآن ونقرءه ابناءنا	کرائیں گے۔ برابر روز قیامت تک یہ سلسلہ
ويقرءه ابناءنا ابناءهم	رہے گا۔ حضرتؐ نے فرمایا تیری ماں کو تیرے
الى يوم القيامة قال ثكلتك	غم میں رونا نصیب ہو میں تو تجھے تمام اہل مدینہ
امك يا زياد ان كنت	میں سب سے زیادہ سمجھدار سمجھتا تھا۔ کیا یہودی
لاراك من افقه رجل	اور عیسائی توریت اور انجیل کو حفظ
بالمدينة اوليس هذه	نہیں کرتے۔ مگر اُن کے مضامین پر
اليهود والنصارى	عمل نہیں کرتے ہیں (بس اسی طرح
يقرؤن التورية والانجيل	مسلمان بھی قرآن کو حفظ کریں گے مگر اُسکے
لا يعملون بشئ مما فيهما	مضامین پر عمل نہ کرینگے)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس حفظ قرآن کا کوئی نتیجہ نہیں ہے جس کے ساتھ معانی قرآن میں تدبر نہ ہو۔ مضامین قرآن پر عمل نہ ہو۔

عنہ وانتم الیوم تعلمون القرآن — روایت کی سند صحیح ہے۔ طبرانی نے

قبل الایمان وھو صحیح الضیا — اتنا اضافہ کیا ہے کہ آج تم لوگوں کی

یہ حالت ہے کہ ایمان حاصل کیے بغیر قرآن کی تعلیم لیتے ہو۔ یہ ٹکڑا بھی صحیح السند ہے۔

ابن مسعود سے روایت ہے۔

انزل القرآن لیعمل بہ فاتخذتم — قرآن اس لیے نازل ہوا تھا کہ اس پر

دراستہ عملا وسیاتی قوم — عمل کیا جائے مگر تم نے خود الفاظ قرآن

یثقفونہ تثقیف القناء — کے سبق کو اس پر عمل کا قائم مقام بنا لیا

لیسوا بخیارکم — اور آئندہ کچھ لوگ ایسے آئیں گے جو قرآن سے غل

مچانے کی طرح کھینچ تان کریں گے یہ تم میں کے اچھے لوگ نہیں ہیں۔

دوسری روایت میں ہے۔

یقیمونہ اقامۃ القدح یتعجلونہ — وہ لوگ قرآن کو تیر کی طرح سیدھا کریں گے

ولا یتاجلونہ — اور اسے جلدی جلدی تیزی کی کیساتھ یعنی

اور دم لے لے کر نہیں پڑھیں گے۔

اب ان احادیث و روایات کو ذرا مطابق کیا جائے۔ حفاظ قرآن کی موجودہ اکثریت کے ساتھ تو معلوم ہوگا کہ ہو بہو انہی اوصاف کا نمونہ ہے جو پیش نظر ہے۔

سنن ابن ماجہ (مطبوعہ مصر ج ۲ ص ۲۵۹) میں زیاد بن لبید کی روایت ہے

مقابلہ میں حفاظ قرآن کی جماعت خاص اہمیت رکھتی تھی۔ تاریخ طبری۔ ج ۵۔ ص۲۲۲ میں ہے۔

قتل من بنی عدی یومئذ سبعون شیخا کلھم قد قرأ القرآن

"قبیلہ عدی سے جمل کے دن ستر ضعیف العمر بڈھے قتل ہوئے جنہیں سب قرآن حفظ کیے ہوئے تھے۔

حضرت عائشہ فرماتی تھیں ما زلت ارجو النصر حتیٰ خفیت اصوات بنی عدی۔

"مجھے برابر فتح وظفر کی امید قائم رہی جب تک کہ بنی عدی کی آوازیں میرے کان میں آتی رہیں۔"

جنگ صفین میں وہ لوگ جنھوں نے قرآن نیزوں پر بلند کیے جانے کے بعد امیر المومنینؑ کی مخالفت کی اور یہ کہا کہ اگر آپ معاویہ کی خواہش منظور نہ کریں گے تو ہم آپ کو گرفتار کر کے دشمن کے حوالہ کر دیں گے یا قتل کر ڈالیں گے اور پھر فیصلۂ ثالثی منظور ہو جانے کے بعد وہی لوگ امیر المومنینؑ کے مخالف ہو گئے اور نہروان میں آپ سے برسرپیکار ہوئے یہ بھی حفاظ قرآن ہی تھے۔ ملاحظہ ہو طبری۔ ج ۶ ص ۲۷

فقال لہ مسعر بن فدکی التمیمی وزید بن حصین	(قرآن مجید کے نیزوں پر اٹھائے جانے کے بعد) مسعر بن فدکی تمیمی اور زید بن

حفاظ قرآن کا عملی نقشہ

نہایہ ابن اثیر لغت (قرا) میں ہے۔

فیہ اکثر منافقی امتی قراءھا	حدیث میں ہے کہ میری امت کے
ای انھم یحفظون القرآن	منافقین اکثر حفاظ قرآن ہی ہوں گے یعنی
نفیا للتھمۃ عن انفسھم	وہ لوگ قرآن حفظ کریں گے تاکہ اُن سے
وھم یعتقدون تضییعہ و	نفاق کی تہمت دور ہو جائے حالانکہ اُن کے
کان المنافقون فی عصر النبی	دلوں میں اُسکے فنا کرنے کی تدبیریں مضمر
صلی اللہ علیہ وسلم بھذہ	ہوں گی۔ اور اکثر منافقین زمانہ رسالتمآب
الصفۃ۔	میں اسی صفت کے تھے۔

شرح احیاء العلوم صفحہ ۴۴۲ میں لکھا ہے

کان الحجاج اقرء القرآء	حجاج (ابن یوسف ثقفی) اپنے زمانہ میں
واحفظھم لحروف القرآن	سب سے بڑا حافظ اور الفاظ قرآن کا سب سے
کان یقرأ القرآن فی کل	زیادہ حفظ رکھنے والا تھا، ہر تین روز میں
ثلث وکان اضیع الناس	قرآن ختم کیا کرتا تھا لیکن وہی سب سے
لحدودہ۔	زیادہ حدود و احکام قرآن کا ضائع کرنیوالا تھا

جمل کی لڑائی میں امیر المومنین خلیفۃ المسلمین علی بن ابیطالب کے

اور اُس کے بعد صدیوں تک کے زمانہ سے تعلق رکھتی ہیں، اس لفظ کا اپنے موجودہ معنی کے ساتھ پتہ نہیں ہے۔

"حافظ" کی لفظ علم حدیث کی اصطلاح تھی جس سے ایک مخصوص کثیر تعداد میں احادیث حفظ کرنے والے اشخاص مراد ہوا کرتے تھے۔ اور اس لیے علماء و محدثین کے نام کے ساتھ جہاں "حافظ" کا لفظ آئے اُس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ وہ قرآن کے حافظ تھے۔ بے شک حفظ قرآن کے لیے قدیم زمانہ کی کتابوں اور روایتوں میں دو لفظیں ملتی ہیں ایک جمع قرآن اور دوسرے قراءت۔ جن کا تذکرہ مختلف روایتوں میں موجود ہے۔

(۱) قتادہ کی روایت

سألت انس بن مالک من جمع القرآن علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال اربعة کلهم من الانصار ابی بن کعب ومعاذ بن جبل وزید بن ثابت وابو زید	میں نے انس بن مالک سے سوال کیا کہ رسالتمآب کے زمانہ میں کن لوگوں نے قرآن حفظ کیا تھا اُنھوں نے کہا، چار آدمیوں نے جو انصار میں سے تھے۔ ابی بن کعب اور معاذ بن جبل اور زید بن ثابت اور ابوزید۔

الطائی ثم السنبسی فی	حسین طائی اور ایک بڑی جماعت نے
عصابة معهما من القراء	حفاظ قرآن میں سے جو بعد میں خوارج
الذین صاروا خوارج بعد	میں داخل ہو گئے یہ کہا کہ یا علی کتاب خدا
ذلك یا علیّ اجب الی کتاب	کے فیصلہ کو منظور کیجیے جس کی خواہش
الله عزّ وجلّ اذا دعیت	کیجا رہی ہے ورنہ ہم آپ کو دشمنوں کے
الیه والّا ندفعك برمّتك	حوالہ کردیں گے۔ یا وہ سلوک
الی القوم او نفعل کما فعلنا	کریں گے جو اس کے قبل عثمان کے
بابن عفّان۔	ساتھ کر چکے ہیں۔

ان الفاظ سے یہ بھی ظاہر ہے کہ حضرت عثمان کے قتل کرنے میں بھی ان محترم حفاظ قرآن کی جماعت کا کافی ہاتھ تھا اور یہ لوگ اُن کے قتل کرنے میں پیش پیش تھے۔

دوسرا تبصرہ

حفظ قرآن کا قدیم محاورہ

قرآن مجید کے الفاظ کو زبانی حفظ کرنے والوں کے لیے " حافظ " کی اصطلاح نو زائیدہ ہے۔ عربی کتابوں میں جو زمانۂ قدیم یعنی صدر اسلام

حفظ ولیس من شرط التواتر ان یحفظ کل فرد جمیعہ بل اذا
حفظ الکل الکل ولو علی التوزیع کفی وقال القرطبی قد قتل
یوم الیمامۃ سبعون من القرآء وقتل فی عھد النبی صلی اللہ
علیہ وسلم ببیر معونۃ مثل ھذا العدد وانما خص انس
الاربعۃ بالذکر لشدۃ تعلقہ بھم دون غیرھا او لکونھم کانوا
فی ذھنہ دون غیرھم۔

" انس کی روایت کے ساتھ بہت سے ملحدوں نے استدلال کیا ہے
(یعنی یہ ثابت کیا ہے کہ قرآن متواتر نہیں ہے۔ اس لیئے کہ اُس کے حفظ
کرنے والے شروع میں اتنی مختصر تعداد رکھتے تھے) لیکن ان کا استدلال
غلط ہے اس لیے کہ اوّل تو انس کی روایت کے یہ معنی جو اُس سے ظاہر
ہوتے ہیں تسلیم نہیں۔ اگر معنی اُس کے یہی تسلیم بھی کیے جائیں تو یہ تسلیم نہیں کہ
واقعتاً بھی یہی صورت تھی اور یہ کہ اُن کا بیان صحیح ہے۔ اگر اسے بھی تسلیم کر لیا
جائے تو اس کثیر جماعت صحابہ کے تمام قرآن کے حافظ نہ ہونے سے یہ ضروری
نہیں ہے کہ وہ بالکل قرآن کے حافظ تھے ہی نہیں۔ اور تواتر کے لیے یہ ضروری
نہیں کہ ہر ہر فرد تمام قرآن کی حافظ ہو بلکہ اگر وہ سب ملکر تمام قرآن کے حافظ
ہوں۔ اجزاء کی تقسیم کے طور سے تب بھی کافی ہے۔ قرطبی نے کہا ہے کہ یمامہ
کے دن ستر آدمی قتل ہوئے تھے جو سب قراء قرآن تھے اور اتنی ہی تعداد میں

(۲) ثمامہ کی روایت

عن انس قال مات النبیؐ	انس نے کہا کہ رسالتمآبؐ نے انتقال
صلی اللہ علیہ وسلم ولم	فرمایا اور اس وقت تک نہیں حفظ کیا
یجمع القرآن غیر اربعۃ	تھا قرآن کو سوائے چار آدمیوں کے
ابو الدرداء ومعاذ بن جبل	ابو الدرداء اور معاذ بن جبل۔ اور
وزید بن ثابت وابو زید۔	زید بن ثابت اور ابو زید۔

ان دونوں روایتوں کو بخاری نے (باب القرآء من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم)[1] میں درج کیا ہے۔ اور حافظ سیوطی نے اتقان[2] میں (النوع العشرون فی معرفۃ حفاظہ ورواتہ) میں نقل کیا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ جمع۔ قرأت دونوں کے ایک معنی ہیں۔ یعنی حفظ قرآن۔

ان روایتوں کے ذیل میں حافظ سیوطی تحریر کرتے ہیں۔

قد تمسک بقول انس ھذا جماعۃ من الملاحدۃ ولا متمسک لھم فیہ فانا لا نسلم حکمہ علی ظاھرہ سلمناہ ولکن من این لھم ان الواقع فی نفس الامر کذالک سلمناہ لکن لا یلزم من کون کل من الجم الغفیر لم یحفظہ کلہ ان لا یکون

(۱) صحیح بخاری مطبوعہ کرزن گزٹ پریس دہلی نصف دوم ص۷۴۸ (۲) مطبوعہ دہلی ص۱۰۱

امرنا بالاخذ عنھم فی الوقت الذی صدر فیہ ذالک القول ولا یلزم من ذالک ان لایکون احد فی ذالک الوقت شارکھم فی حفظ القرآن بل کان الذین یحفظون مثل الذی حفظوہ اوازید جماعۃ من الصحابۃ وفی الصحیح فی غزوۃ بیر معونۃ ان الذین قتلوا بہا من الصحابۃ کان یقال لھم القراء وکانوا سبعین رجلا۔

" بظاہر اُس وقت یہی چار آدمی موجود ہوں گے جن سے تعلیم حاصل کرنے کا حکم ہوا لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ کوئی اور شخص اُس وقت میں حافظ قرآن تھا ہی نہیں، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ وہ لوگ جو ان کا اتنا بلکہ ان سے زیادہ قرآن حفظ کیے ہوئے ہوں۔ وہ صحابہ میں بہت سے لوگ تھے اور صحیح روایت میں بیر معونہ کے متعلق ہے کہ جو لوگ وہاں قتل ہوئے تھے وہ صحابہ میں سے قراء کے نام سے موسوم تھے اور وہ ستر اشخاص تھے۔" (اتقان صلا۱۰۱)

اس روایت کے درج کرنے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ قراء کے معنی حفاظ قرآن کے ہیں۔

۸ ابن عبدالبر نے لکھا ہے کہ

عمیر بن عدی الخطمی امام بنی خطمۃ وقارئھم الاعمی قال ابن القداح حفظ طائفۃ	عمیر بن عدی خطمی قبیلہ بنی خطمہ کے پیشنماز اور حافظ نابینا تھے۔ ابن قداح نے کہا ہے کہ انھوں نے کچھ حصہ قرآن کا

قرا زمانہ رسالتمآب میں بھی بیر معونہ میں شہید ہوئے تھے۔ انس نے چار آدمیوں کا ذکر اس لیے کیا کہ اُن کو انہی لوگوں کے ساتھ خصوصیت حاصل تھی۔ یا اس لیے کہ اُس وقت اُن کے ذہن میں یہی چار نام تھے اور بس"۔

اس عبارت سے بھی صاف ظاہر ہے کہ جمع قرآن اور قرأت دونوں کے معنی حفظ قرآن کے ہیں۔

(۳) نسائی نے بسند صحیح عبداللہ بن عمر سے روایت کی ہے۔

قال جمعت القرآن فقرأت به کل لیلۃ فبلغ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال اقرأہ فی شھر الحدیث۔ (اتقان مطبوعہ دہلی ص۱۱۱)	میں نے قرآن مجید حفظ کیا اور ہر شب پورا قرآن ختم کرنے لگا۔ رسالتمآب کو خبر پہونچی تو حضرتؐ نے فرمایا تم مہینہ میں ایک قرآن ختم کیا کرو۔

بخاری کی یہ روایت کہ

عن عبد اللہ بن عمرو بن العاص قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول خذوا القرآن من اربعۃ من عبد اللہ بن مسعود وسالم ومعاذ وابی بن کعب۔	رسالتمآب نے فرمایا کہ قرآن کی تعلیم حاصل کرو چار آدمیوں سے ابن مسعود، اور سالم، اور معاذ اور ابی بن کعب۔

اس کو نقل کرنے کے بعد حافظ سیوطی نے لکھا ہے۔ (الظاھر انہ

ابن اثیر جزری نے اسد الغابہ (ج ۴ ص ۲۶۳ - ۲۶۴) میں لکھا ہے

عن الشعبی قال جمع القرآن
علی عہد رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم ستة من
الانصار زید بن ثابت وابو
زید ومعاذ بن جبل وابو الدرداء
وسعد بن عبادة وابی بن کعب
وکان جاریة بن مجمع بن جاریة
قد قرأه الا سورة او سورتین
کذا قالہ الطبرانی ورواہ اسحق
بن یوسف عن زکریا بہ وقال
المجمع بن جاریة وکذلک قالہ
اسمعیل بن ابی خالد عن الشعبی
وھو الصحیح وکان جاریة بن
عامر والد المجمع ممن اتخذ
مسجد الضرار وکان المجمع یصلی
لھم فیہ وھذا یقوی قول من

شعبی کی روایت ہے کہ قرآن کو جمع کیا
رسالتمآب کے زمانہ میں چھ آدمیوں
نے انصار میں سے۔ زید بن ثابت۔
ابوزید۔ معاذ بن جبل۔ ابوالدرداء
سعد بن عبادہ۔ ابی بن کعب۔ اور
جاریہ بن مجمع بن جاریہ نے بھی اسکی
تمام و کمال قرارت کی تھی سوائے
دو ایک سوروں کے جو چھوٹ گئے تھے
اسحق بن یوسف نے بھی اس روایت کو
نقل کیا ہے مگر انھوں نے جاریہ بن مجمع بن
جاریہ کے بجائے مجمع بن جاریہ کا نام لیا ہے
اور اسمعیل بن ابی خالد کی روایت بھی شعبی
سے یہی ہے اور یہی صحیح ہے۔ جاریہ بن عامر
مجمع کے والد تھے انھوں نے مسجد
ضرار کی بنیاد قائم کی تھی اور مجمع انھیں
نماز پڑھایا کرتا تھا اور اس سے بھی

من القرآن فسمی بالقاری و	حفظ کر لیا تھا۔ اس لیے قاری کہے
کان یؤم بنی خطمۃ	جانے لگے تھے اور بنی خطمہ کے یہاں نماز
(استیعاب برحاشیہ اصابہ ج ۳ صفحہ ۴۲۹ مطبوعہ مصر)	پڑھاتے تھے۔

اصابہ (ج ۳ صفحہ ۴۲۸) میں ہے

معاذ بن الحرث بن الارقم	معاذ بن حارث خزرجی۔ قاری کہے
الخزرجی یکنی اباحلیمۃ و	جاتے تھے۔ اور ان کو حضرت عمر نے
کان یقال لہ القاری ھو الذی	ماہ رمضان کے زمانہ میں تراویح کا
اقامہ عمر یصلی التراویح فی شھر	امام مقرر کیا تھا۔
رمضان۔	

اس سے صاف ظاہر ہے کہ حافظ قرآن تھے اس بنا پر قاری کہے جاتے تھے۔

اصابہ (ج ۳ صفحہ ۴۸۶) میں ہے کہ

(ورد البخاری عن ابی موسی	ابوموسی اشعری کی روایت ہے کہ آپ نے
الاشعری انہ قال لا یذبح	فرمایا کوئی شخص مسلمانوں میں جانور ذبح
للمسلمین الا من یقرأ ام الکتاب	نہ کرے جب تک سورۂ حمد حفظ نہ کر لے۔
فلم یقرأ الا محرز القصاب	سوائے محرز قصاب کے کسی نے حفظ نہ کیا۔
وکان یذبح وحدہ۔	اس لیے بس وہی مسلمانوں کے یہاں جانور
	ذبح کرتے تھے۔

اس سے بھی، قرأت اور جمع کا معنی حفظ قرآن ہونا ثابت ہے۔

کتاب وسائل الشیعہ مصنفہ شیخ حر عاملی (مطبوعہ طہران ج ا صـ ۳۴۱ میں ہے:

عن انس قال قال رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم من قرأ مائة آية لم يكتب من الغافلين ومن قرأ مائتی آية كتب من القانتين ومن قرأ ثلثمائة آية لم يحاجه القرآن يعني من حفظ قدر ذلك من القرآن يقال قرأ الغلام القرآن اذا حفظه۔

رسالتمآبؐ نے فرمایا جو شخص قرأت کرے سو آیتوں کی غافلین میں محسوب نہ ہوگا۔ جو شخص قرارت کرے دو سو آیتوں کی قانتین میں محسوب ہوگا اور جو شخص تین سو آیتوں کی قرأت کرے قرآن (روز قیامت) اُس کی شکایت نہ کرے گا۔ قرارت کرنے کے معنی یہ ہیں کہ اتنی مقدار حفظ کرے۔ عرب کا محاورہ ہے بچہ نے قرآن کی قرأت کی یعنی اُسکو حفظ کیا۔

مجلہ "المرشد العربی" لاذقیہ (شام) ج ۲ صـ ۱۴۲ میں ہے۔

عظم شان القرّاء فی اول الاسلام لقلة الذين يقرأون القرآن يومئذ فسمّوا الذين يحفظون القرآن قرّاء تمييزا لهم عن غيرهم لانهم كانوا

قرّاء کو بڑی عزت حاصل ہوئی ابتدائے اسلام میں اس لیے کہ بہت کم لوگ اُس زمانہ میں قرآن کے حافظ ہوتے تھے تو جو لوگ قرآن حفظ کرتے تھے انہیں قرّاء کہا جاتا تھا اُن کے امتیاز دینے کیلیے

يقول ان الجمع كان الحافظ للقرآن۔

اس قول کی تقویت ہوتی ہے کہ حفظ قرآن کرنے والے جمع ہی تھے۔

اس عبارت کے بھی صدر و ذیل اور وسط سے جمع۔ قرارت اور حفظ کا متحد المعنیٰ ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ نہایہ ابن اثیر لغت (قرا) میں ہے۔

قد تكرر في الحديث ذكر القراءة والاقتراء والقارى والقرآن والاصل في هذه اللفظة الجمع وكل شئ جمعته فقد قرأته و سمى القرآن لانه جمع القصص والامر والنهي والوعد والوعيد والآيات والسور بعضها الى بعض ـــــ وفيه اكثر منافقى امتى قراءها اى انهم يحفظون القرآن نفيا للتهمة عن انفسهم وهم يعتقدون تضييعه

حدیث میں مکرر جگہ قرأۃ اور اقتراء اور قاری اور قرآن کا تذکرہ ہے، اصلی معنی اس لفظ کے جمع کے ہیں۔ اور جس شے کو تم جمع کرو اُس کے متعلق کہا جائے گا قرأتہ۔ اور قرآن کا نام قرآن اسی لیے ہوا کہ اُس میں امر اور نہی وعدہ اور وعید آیات اور سور مجتمع حیثیت سے مندرج ہیں۔ حدیث میں یہ بھی ہے کہ اکثر میری امت کے منافقین قرا ہوں گے یعنی وہ لوگ حفظ قرآن کریں گے۔ اپنے نفس سے تہمت ہٹانے کیلئے حالانکہ اُن کے دل میں قرآن کو فنا کر دینے کا خیال مضمر ہوگا۔

ہے جسکو عربی کے قدیم محاورہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

تیسرا تبصرہ

حفظ قرآن کے بارے میں صحابہ کرام کی بے توجہی

ہم جس وقت صدر اسلام پر نظر ڈالتے ہیں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ صحابۂ کرام کی کثیر جماعت حفظ قرآن سے عاری تھی اور وہ الفاظ قرآن کو ازبر حفظ نہ رکھتی تھی۔

جس کا قوی ثبوت خصوصی تصریحات کے پہلے یہ ہے کہ زمانۂ رسالتمآبؐ میں قرآن مکمل و مرتب صورت سے یکجا ہی نہیں ہوا تھا بلکہ وہ بعد کو مرتب و مدون ہوا۔

بیر معونہ میں شہید ہونے والی سترّ آدمیوں کی جماعت یا یمامہ کے دن قتل ہونے والے ستر اشخاص جن کے متعلق سابقہ عبارتوں میں درج ہوا ہے کہ وہ قرّاء قرآن تھے۔ اُن کے متعلق یہ کسی طرح نہیں کہا جا سکتا کہ وہ پورے قرآن کے حافظ تھے بلکہ صورت حال کی بنا پر کہ قرآن تدریجی حیثیت سے نازل ہوتا تھا اور رسالتمآبؐ منتشر اجزا پر اُس کو لکھواتے جاتے تھے۔ ہوتا یہ تھا کہ جو شخص صحابہ میں سے حاضر الوقت

امیّین۔ اُن کے غیر سے کیونکہ دوسرے لوگ اکثر امی ہوا کرتے تھے۔

جرجی زیدان نے تاریخ آداب اللغۃ العربیہ ج ۱ ص۲۱۲ میں بھی لکھا ہے:

قرأۃ القرآن ھی اقدم العلوم الشرعیۃ الاسلامیۃ و کان للقراءۃ شان فی صدر الاسلام لقلۃ الذین یقرأون یومئذ فسمّوا الذین کانوا یحفظون القرآن "قراء" تمییزا لھم عن سائر المسلمین لانھم کانوا امیّین۔

قراۃ قرآن تمام اسلامی مذہبی علوم میں قدیم ترین فن ہے اور قراۃ کو صدر اسلام میں بڑی اہمیت حاصل تھی اسلیے کہ بہت کم لوگ تھے جو قرارت کرتے تھے۔ لہذا وہ اُن اشخاص کو جو حفظ قرآن کرتے تھے "قراء" کہنے لگے امتیاز کے لیے اُن کے دوسرے مسلمانوں سے جو زیادہ تر امی ہوا کرتے تھے۔

مذکورۂ بالا تصریحات سے صاف ظاہر ہوگیا کہ قدیم زمانہ کی اصطلاح میں حافظ قرآن کو "قاری" کی لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور قرأ القرآن کے معنی "حفظ القرآن" کے ہیں۔

قراءت علم تجوید کے معنی میں جس کے اعتبار سے اُن اشخاص کو جو مخارج حروف سے واقف ہیں قاری کہا جاتا ہے۔ جدید اصطلاح

عدم موجودگی میں نازل ہوتا تھا۔ جب وہ واپس آتا تھا تو وہ تو اُن سورتوں کے حفظ یا کتابت میں مشغول ہو جاتا جو اس کے بعد نازل ہوتے رہتے تھے اور وہ مقدار جو اُس کی عدم موجودگی میں نازل ہوئی تھی، اُس کو موقع و محل سے جستجو کر کے جتنا اُس کو ممکن ہو سکتا تھا اتنا حفظ کر لیتا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ اُن کے مکتوبات میں مقدم کا مؤخر اور مؤخر کا مقدم ہو جاتا تھا اور ترتیب محفوظ نہ تھی۔"

اس صورت حال کے بعد بھلا کہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ صحابہ میں کثیر التعداد جماعت ایسی تھی جو تمام قرآن کی حافظ ہو۔

ان روایات سے بھی کہ جن میں صرف پانچ یا سات آدمیوں کا صحابہ میں سے حافظ قرآن ہونا مذکور ہے، اس امر کا ثبوت صاف طور سے پایا جاتا ہے۔

ان میں سے اکثر روایات سابقہ تبصرہ میں ہدیۂ ناظرین کیے جا چکے ہیں، جیسے بخاری کی روایت قتادہ سے کہ میں نے انس بن مالک سے پوچھا رسالتمآب کے زمانہ میں کن لوگوں نے حفظ قرآن کیا تھا۔ انھوں نے کہا چار آدمیوں نے جو انصار میں سے تھے۔ ابی بن کعب معاذ بن جبل۔ زید بن ثابت۔ ابوزید۔

دوسری روایت انس کی کہ رسالتمآب کا جب انتقال ہوا ہے، کسی شخص نے حفظ قرآن نہیں کیا تھا سوائے چار آدمیوں کے۔ ابوالدرداء اور معاذ بن جبل اور زید بن ثابت اور ابوزید

ہوا اُس نے جو کچھ حصہ قرآن کا اُس کے سامنے نازل ہوا اُس کو یاد کر لیا اس طرح مختلف صحابہ کے سینوں میں کثیر التعداد اجزاء قرآن کے متفرق طور پر محفوظ تھے اور انھیں صرف اتنے ہی حفظ کر لینے پر قاری کے نام سے نامزد کر دیا جاتا تھا جس کا ثبوت استیعاب کی عبارت سے جو سابقہ تبصرہ میں گذری نذر ناظرین ہو چکا جس میں عمیر بن عدی کے متعلق لکھا ہے کہ حفظ طائفۃ من القرآن فسمی بالقاری۔

"ایک حصہ قرآن کا حفظ کر لیا، اس سے اُن کا نام قاری ہو گیا"

یہ بالکل ظاہر ہے کہ رسالتمآبؐ نے کوئی مدرسہ حفظ قرآن کا قائم نہیں کیا تھا اور نہ مدوّن صورت سے کوئی کتاب ہی موجود تھی جو صحابہ کو دی جاتی کہ وہ یاد کریں۔

علامہ مصطفےٰ صادق رافعی نے اعجاز القرآن (مطبوعہ مصر ۱۳۴۳ھ) میں لکھا ہے

ان الواحد منھم اذ احفظ سورۃ او کتبھا ثم خرج فی سریۃ فنزلت سورۃ اخریٰ فانہ کان اذا رجع یأخذ فی حفظ ما ینزل بعد رجوعہ وکتابتہ ویتتبع ما فاتہ علی حسب ما یسھل لہ فی الکثرۃ او قلۃ فمن ثم یقع فیما یکتبہ تأخیر المقدم وتقدیم المؤخر

"صحابہ میں سے کوئی شخص جو کوئی سورہ حفظ کرتا تھا یا لکھتا تھا اس کے بعد اُس کو کسی غزوہ یا جنگ میں چلا جانا پڑتا تھا تو کوئی اور سورہ اُس کی

ابوعمر نے کہا اس کے معنی یہ ہیں کہ خزرج کے فریق مقابل یعنی اوس میں سے کسی نے ان چار آدمیوں کے سوا پورا قرآن حفظ نہ کیا تھا۔ لیکن انصار کے علاوہ دوسرے گروہ (مہاجرین) میں سے بعض نے قرآن حفظ کیا تھا جیسے عبداللہ بن مسعود اور سالم مولی ابی حذیفہ اور عبداللہ بن عمرو بن العاص[1]۔

سیوطی نے مذکورۂ بالا اشخاص کے علاوہ بڑی کد و کاوش سے بعض صحابہ کے نام دریافت کیے ہیں۔ جو حافظ قرآن تھے ان میں سے بعض کا تذکرہ عبید نے کتاب القراءۃ میں کیا ہے۔

مہاجرین میں سے خلفائے اربعہ (دوسرے مستند روایات اور قرائن کی بنا پر جو آئندہ آئیں گے یہ ثابت ہوگا کہ حضرت شیخین حافظ نہ تھے) طلحہ۔ سعد وقاص۔ ابن مسعود۔ حذیفہ۔ سالم۔ ابوہریرہ۔ عبداللہ بن سائب۔ عائشہ۔ حفصہ۔ ام سلمہ۔ انصار میں سے عبادۃ بن صامت۔ معاذ۔ فضالۃ بن عبید۔ مسلمۃ بن مخلد۔ لیکن بعض کے متعلق یہ تصریح کی ہے کہ انھوں نے تکمیل حفظ قرآن کی رسالتمآب کے بعد کی ہے۔ ابن ابی داؤد نے ان میں سے تمیم داری اور عقبہ بن عامر کا بھی تذکرہ کیا ہے۔

ابو احمد عسکری نے لکھا ہے کہ قبیلہ اوس میں سے سعد بن عبید نے حفظ قرآن کیا تھا۔ ابن ابی داؤد نے حفاظ قرآن میں قیس بن ابی صعصعہ خزرجی کا نام

(۱) استیعاب برحاشیۂ اصابہ۔ ج ۱ ص ۲۸۲

(۳) ابن ابی داؤد کی روایت محمد بن کعب قرظی سے کہ قرآن کو حفظ کیا تھا رسالتمآب ؐ کے زمانہ میں پانچ آدمیوں نے انصار میں سے۔ معاذ بن جبل۔ عبادہ بن صامت۔ ابی بن کعب۔ ابو الدرداء۔ ابو ایوب انصاری۔

(۴) بیہقی کی روایت ابن سیرین سے کہ قرآن کو رسالتمآب ؐ کے زمانہ میں چار آدمیوں نے حفظ کیا تھا جن میں اختلاف نہیں ہے معاذ بن جبل اور ابی بن کعب اور زید اور ابو زید اور دو آدمیوں میں اختلاف ہے۔ ابو الدرداء اور عثمان اور بعض نے کہا ہے عثمان اور تمیم داری۔

(۵) شعبی کی روایت ہے کہ قرآن کو رسالتمآب ؐ کے زمانہ میں چھ آدمیوں نے حفظ کیا تھا۔ ابی اور زید اور معاذ اور ابو الدرداء اور سعد بن عبید اور ابو زید اور مجمع بن جاریہ۔ نے دو تین یا چار سوروں کے علاوہ پورا قرآن حفظ کر لیا تھا۔

مذکورۂ بالا تمام روایات کو حافظ سیوطی نے اتقان[۱] میں درج کیا ہے۔ شعبی کی روایت اصابہ حافظ ابن حجر[۲] اور اسد الغابہ[۳] میں بھی موجود ہے۔ استیعاب میں ہے کہ قبیلۂ خزرج کے لوگوں نے کہا ہم میں سے چار آدمی ہیں جنھوں نے رسالتمآب ؐ کے زمانہ میں قرآن حفظ کیا اور ان کے سوا کسی کو یہ شرف حاصل نہ تھا۔ زید بن ثابت اور ابو زید اور معاذ بن جبل اور ابی بن کعب

---

(۱) مطبوعۂ دہلی صفحہ ۱۰۱۔ ۱۰۳۔ (۲) ج ۲ صفحہ ۵ (۳) ج ۱ صفحہ ۲۶۳۔ ۲۶۴۔

اُن کی تعداد نظر میں بہت کم معلوم ہونے لگتی ہے۔

اسد الغابہ میں ہے:(۱)

اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی ما شرطوہ کثیرون فان رسول اللہ شہد حنینا ومعہ اثنا عشر الفا سوی الاتباع والنساء وجاء الیہ ھوازن مسلمین فاستنقذوا حریمہم واولادھم وترک مکۃ مملوءۃ ناسا وکذالک المدینۃ ایضا وکل من اجتاز بہ من قبائل العرب کانوا مسلمین فھولاء کلھم لھم صحبۃ وقد شہد معہ تبوک من الخلق الکثیر مالا یحصیہم دیوان وکذالک حجۃ الوداع وکلھم لھم صحبۃ۔

"رسالتمآبؐ کے اصحاب اُن شرائط کے ساتھ جو صحابیت کے لیے قرار دی گئی ہیں بہت ہیں۔ اس لیے کہ جب رسالتمآبؐ جنگ حنین میں تشریف لے گئے ہیں تو آپ کے ساتھ بارہ ہزار سپاہی تھے۔ ان کے علاوہ وہ لوگ تھے جو بطور خادم وغیرہ کے دوسروں کے ساتھ چلے آئے تھے۔ یا عورتیں تھیں کہ جو ساتھ تھیں۔ نیز قبیلہ ہوازن کے لوگ سب مسلمان ہو کر آئے تھے اور اپنی اولاد اور عورتوں کو قید سے چھڑا کر لے گئے تھے پھر مکہ کو آپ نے چھوڑا تھا اور وہ مسلمانوں سے مملو تھا اور اسی طرح مدینہ اس کے علاوہ جن قبائل پر اسے

(۱) ج ۱۔ مطبوعہ مصر ص۲

بھی لکھا ہے۔ لیکن ان کی کنیت ابو زید ہے، اس لیے ممکن ہے کہ یہ وہی ہوں جنکا
تذکرہ سابق روایت آچکا ہے۔ بعض روایات میں ان کا نام قیس بن سکن ہے۔
عبداللہ بن عمر کے متعلق بھی ایک روایت ہے جس کا تذکرہ سابق میں ہو چکا۔
سعد بن منذر بن اوس بن زہیر کا بھی نام لیا گیا ہے۔ ابن سعد نے
طبقات میں ایک خاتون کا بھی صحابیات میں سے ذکر کیا ہے جنھوں نے قرآن
حفظ کیا تھا۔ ان کا نام ام ورقہ بنت عبداللہ بن حارث ہے (۱)
حافظ عسقلانی کی روایت ہے کہ شہاب قرشی کو رسالتمآبؐ نے پورا
قرآن حفظ کرایا تھا، حمص میں لوگ انہی سے قرآن کی تعلیم حاصل کرتے تھے (۲)
ابن عبدالبر نے لکھا ہے کہ قیس بن نعمان سکونی کوفی نے قرآن کو زمانہ
رسالتمآبؐ میں حفظ کیا تھا اور حضرت عمرؓ کے عہد میں اسکی تکمیل کی (۳)
اصابہ میں ہے کہ انھوں نے زمانہ حضرت عمرؓ میں قرآن حفظ کیا تھا (۴)
قرشع ضبی کے متعلق لکھا ہے کہ یہ بڑے بڑے حافظوں میں سے تھے (۵)
یہ لوگ وہ ہیں جن کو بڑی جستجو سے روایات کی صحت اور عدم صحت کی تفریق
کیے بغیر صحابۂ کرام کے حفاظ کی فہرست میں درج کیا جا سکتا ہے لیکن جب ہم
صحابۂ کرام کی مجموعی فہرست سے ان معدودے چند افراد کی نسبت دیکھتے ہیں تو

(۱) اتقان ص ۱۰۳-۱۰۴۔ (۲) اصابہ۔ ج ۲ ص ۱۵۹ (۳) استیعاب برحاشیہ اصابہ ج ۳ ص ۲۴۹
(۴) ج ۳ ص ۲۶۱ (۵) اصابہ ج ۳ ص ۲۶۹

زیادہ مقدار میں علم رکھنے والے کے لیے مخصوص امتیازات مقرر تھے۔"

لیکن اس سب کا نتیجہ اتنا تھا کہ قرآن کو مختلف مقامات سے متفرق حیثیت سے اتنے کثیر التعداد صحابہ یاد کرلیں جن کی مجموعی حیثیت سے تواتر کی کیفیت پیدا ہوجائے لیکن تمام قرآن کے یاد کرنے والے اور پورے حافظ آٹھ دس سے زیادہ نہ ہوئے تھے۔

قرآن جمع کرنے کے روایات جن کا تفصیلی تذکرہ ہم نے "تحریف قرآن کی حقیقت" میں کیا ہے، اس حقیقت کو بالکل بے نقاب کرتے ہیں۔

صحیح بخاری نصف دوم ص۷۴۵ (مطبوعہ کرزن گزٹ پریس دہلی)۔

"باب جمع القرآن" میں زید بن ثابت کی روایت ہے کہ یمامہ کی جنگ کے بعد جس میں بہت مسلمان شہید ہوئے تھے حضرت ابوبکر نے میرے پاس آدمی بھیجا کہ میں ان کے پاس حاضر ہوں۔ میں گیا تو وہاں حضرت عمر موجود تھے۔ حضرت ابوبکر نے فرمایا کہ یہ عمر میرے پاس آئے اور انھوں نے مجھ سے کہا کہ یمامہ کے دن حفاظ قرآن بہت سے قتل ہوگئے ہیں اور مجھے خوف ہے کہ یونہی حفاظ مختلف لڑائیوں میں قتل ہوتے رہے تو بہت حصہ قرآن کا تلف ہوجائے گا۔

(اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ لوگ جو قراء کہلاتے تھے متفرق مقامات سے مختلف اجزائے قرآن کے حافظ ہوتے تھے۔ اگر یہ لوگ تمام قرآن کے حافظ ہوا کرتے تو حضرت عمر کو یہ اندیشہ پیدا نہ ہوتا کہ "بہت حصہ قرآن کا تلف

میں آپ کا عبور ہوا تھا وہ سب مسلمان تھے۔ یہ تمام لوگ صحابہ میں مندرج ہیں اور جنگ تبوک میں آپ کے ساتھ اتنی جمعیت تھی جو کسی دفتر میں درج نہیں ہو سکتی تھی، اور اسی طور سے حجۃ الوداع میں۔ یہ تمام لوگ وہ ہیں جن کو صحبت کا شرف حاصل تھا۔"

ان میں سے وہ لوگ جن کے اسماء کتب رجال اور اسماء الصحابہ میں مندرج ہو سکے ہیں۔ اور استیعاب۔ اسد الغابہ۔ اصابہ میں مذکور ہیں۔ وہ بھی ہزاروں کی تعداد تک ہیں۔

اس عظیم مردم شماری میں اگر دس بیس حفاظ قرآن کے اسماء بڑی جستجو سے دستیاب ہو سکے تو اس سے یہ کسی طرح نہیں کہا جا سکتا کہ صحابہ کو حفظ قرآن کی طرف کوئی خاص توجہ تھی۔

حالانکہ اس زمانہ میں کتابت و تحریر کے عام طور سے رائج نہ ہونے کی بنا پر حفظ قرآن کو خاص طور سے اہمیت حاصل تھی۔ شعراء کے قصائد اور بڑے بڑے مقررین کے خطب اسی حفظ کے ذریعہ سے محفوظ ہوتے تھے۔ اسی لیے جیسا کہ ہم نے اپنے رسالہ "تحریف قرآن کی حقیقت" (۱) میں لکھا ہے، رسالتمآب صلعم کی جانب سے قرآن مجید کی زیادہ سے زیادہ مقدار حفظ کرنے کی ہدایت ہوتی تھی اطراف و جوانب میں قرآن کی تعلیم دینے لوگ روانہ کیے جاتے تھے اور قرآن کا

(۱) صفحہ ۴۵ دوسرا ایڈیشن۔

الا انصاری لم اجدھا مع احد غیرہ لقد جاءکم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم حریص علیکم حتی خاتمۃ براءۃ۔

"میں نے قرآن کو ڈھونڈھنا شروع کیا اور درخت کی چھالوں، پتھر کے ٹکڑوں اور لوگوں کے محفوظات سے اس کو جمع کرنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ سورۂ توبہ کا آخری حصہ مجھ کو ابو خزیمہ انصاری کے پاس ملا، اور کسی دوسرے کے پاس دستیاب نہیں ہوا اور وہ یہ ہے کہ لقد جاءکم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم حریص علیکم آخر برارت تک"

(اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے کوئی شبہہ نہیں رہتا کہ پورے قرآن کے حافظ صحابہ میں موجود نہ تھے یا بہت کم تھے ورنہ اس طرح متفرق مقامات سے جمع کرنے کی زحمت گوارا نہ کرنا پڑتی، اور مذکورہ آیت کے لیے جستجو کے بعد صرف ایک شخص دستیاب نہ ہوتا جس کے سوا کسی کے پاس وہ آیت موجود نہ تھی)

زید بن ثابت کی دوسری روایت ہے کہ جب ہم مصحف کی کتابت کرنے لگے تو ایک آیت یا دآئی جو میں نے رسالتمآب کو پڑھتے سنی تھی، اور اس مصحف میں وہ لکھی نہ گئی تھی۔ ہم نے اس کو ڈھونڈھنا شروع کیا تو وہ خزیمہ بن ثابت انصاری کے پاس دستیاب ہوئی۔ من المومنین رجال صدقوا ما عاھدوا اللہ علیہ۔ ہم نے اس کو مصحف میں جو اس کا سورہ تھا وہاں ملحق کر دیا"

ہو جائے گا ۔ بلکہ اُس صورت میں یا تو یہ اندیشہ پیدا ہوتا کہ قرآن بالکل تلف ہو جائے گا۔ اس لیے کہ اس کے تمام حفاظ قتل ہو جائیں گے۔ اور یا کچھ اندیشہ ہی نہ ہوتا کیونکہ جب تک ایک بھی باقی رہتا مجموع قرآن موجود رہتا۔ میری رائے یہ ہے کہ آپ قرآن کو یکجا کیے جانے کا حکم دیجئے۔ میں نے عمر سے کہا کہ تم کیونکر ایسی بات کروگے جو رسالتمآبؐ نے نہیں کی۔ مگر انھوں نے کہا کہ نہیں یہ تو اچھی بات ہے، اس کے بعد یہ برابر مجھ سے اس معاملہ میں تبادلۂ خیال کرتے رہے، یہاں تک کہ خدا نے میرے دل میں بھی کشائش پیدا کی اور میں ان کا ہمخیال ہو گیا۔ تم جوان نو عمر اور سمجھدار اور ہمارے بھروسے کے آدمی ہو اور تم رسالتمآبؐ کے سامنے کاتب وحی بھی رہ چکے ہو۔ لہذا اس کام کے قابل ہو۔ تم تتبع و جستجو کرو اور قرآن کو جمع کرو۔

زید کا بیان ہے کہ اگر مجھ کو کسی پہاڑ کے سرکانے کا حکم دیا جاتا تو وہ میرے اوپر اتنا گراں نہ معلوم ہوتا جتنا یہ جمع قرآن کا حکم۔ میں نے کہا تم لوگ ایسی بات کیونکر کروگے جو رسالتمآبؐ نے نہیں کی حضرت ابوبکر نے فرمایا۔ نہیں اسمیں کوئی مضائقہ نہیں۔ یہ تو خدا کی قسم اچھی بات ہے۔ اس طرح برابر حضرت ابوبکر مجھ کو سمجھاتے رہے۔ یہاں تک کہ میں بھی اُن کا ہمخیال ہو گیا۔

فتتبعت القرآن اجمعه من العسب واللخاف وصدور الرجال حتی وجدت اٰخر سورة التوبة مع ابی خزیمة

جو روایت اس سلسلہ میں بڑے شد و مد سے نقل کیجاتی ہے وہ کسیطرح اسکے ثبوت کیلئے کافی نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو انہی سیوطی کی کتاب (اتقان فی علوم القرآن) (۱)۔

الذی نظہر من کثیر من الاحادیث ان ابا بکر کان یحفظ القرآن فی حیوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ففی الصحیح انہ بنی مسجدا بفناء دارہ فکان یقرأ فیہ القرآن۔	وہ جو اکثر احادیث سے ظاہر ہوتا ہے یہ ہے کہ ابوبکر رسالتمآب کے زمانہ میں قرآن حفظ کرتے تھے چنانچہ صحیح میں ہے کہ آپ نے ایک مسجد بنوائی تھی اپنے گھر کے صحن میں، اس میں آپ قرآن حفظ کیا کرتے تھے۔

قاضی ابوبکر باقلانی نے کہا ہے ھو محمول علی ما کان ینزل منہ اذ ذاک۔

"اس کے معنی یہ ہیں کہ جتنا جتنا قرآن اس زمانہ میں نازل ہوتا تھا اس کو آپ حفظ کرتے تھے"۔

اس روایت سے کسی طرح یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ آپ قرآن مجید کے حافظ تھے۔ اس لیے کہ یہ ایک مخصوص زمانہ کا تذکرہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اس زمانہ میں جتنا قرآن نازل ہوتا تھا اس کو مسجد میں بیٹھ کر حفظ کیا کرتے

(۱) ص۱۰۲-۱۰۳۔

ان روایات سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ حضرت شیخین حافظ قرآن نہ تھے۔ ورنہ آپ کو زید بن ثابت کو اس کام پر مامور کرنے کی اور زید کو اس عرقریزی اور کاوش کی ضرورت نہ پڑتی۔

خطیب نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے۔

عن محمد بن عباد قال لم یحفظ القرآن احد من الخلفاء الا عثمان بن عفان والمامون	محمد بن عباد کا قول ہے کہ قرآن کو خلفاء میں سوائے دو آدمیوں کے کسی نے حفظ نہیں کیا ایک حضرت عثمان اور دوسرے مامون عباسی

اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت شیخین حافظ قرآن نہ تھے اگرچہ حافظ سیوطی نے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ انحصار صحیح نہیں ہے بلکہ نووی وغیرہ کی تصریح کے مطابق حضرت صدیق نے بھی قرآن حفظ کر لیا تھا اور حضرت علیؑ نے بھی تمام قرآن حفظ کیا تھا۔(۱)

لیکن حافظ سیوطی کا یہ اختلاف پورے طور سے صحیح نہیں ہے۔ حضرت علیؑ کے متعلق تو بے شک مستند حیثیت سے یہ امر ثابت ہے کہ آپ قرآن مجید کے حافظ بلکہ مفسر و جامع اور عالم و معلم تھے، اس لیے آپ کی نسبت خطیب کے انحصار میں کوتاہ قلمی و تقصیر ضرور ہے۔ لیکن حضرت ابوبکر کی نسبت کوئی مستند ثبوت حافظ قرآن ہونے کا پایا نہیں جاتا۔

---

(۱) تاریخ الخلفاء مطبوعہ لاہور ص۱۲۲

اس سے کہ میں ایک آیت کو حفظ کروں (۱)

اسی طرح دیگر عشرہ مبشرہ اور اکابر صحابہ وہ اس جوہر سے عاری تھے بلکہ اہل روایت اور رطب و یابس جمع کر دینے والے محدثین نے تو ایسے احادیث تک درج کر دیے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ رسالتمآب بھی پورے طور سے حافظ قرآن نہ تھے۔ اور بہت سی آیتیں آپ بھول جاتے تھے جو دوسرے صحابہ کی یاددہانی سے آپ کو یاد آجاتی تھیں۔ ملاحظہ ہو صحیح بخاری، باب نسیان القرآن (۲)

حدثنا ربیع بن یحیی قال حدثنا	عروہ کی روایت ہے حضرت عائشہ
زائدة قال حدثنا هشام عن	سے کہ رسالتمآب نے ایک شخص کو مسجد
عروة عن عائشة قالت سمع	میں قرآن پڑھتے سنا حضرت نے
رسول الله صلی الله علیه وسلم	فرمایا، خدا اپنی رحمت اس کے شامل
رجلا یقرأ فی المسجد فقال	حال کرے۔ اس نے مجھ کو فلاں فلاں
یرحمه الله لقد اذکرنی کذا و	آیت فلاں سورہ کی یاد دلادی
کذا اٰیة من سورة کذا	

دوسری روایت

(۱) اتقان مطبوعہ دہلی صـ ۵۳۴

(۲) صـ ۷۵۲ نصف دوم مطبوعہ کرزن گزٹ پریس دہلی۔

تھے، لیکن اس سعی میں آپ کو کس حد تک کامیابی ہوئی؟ آپ کا یہ طرزِ عمل آخر تک قائم رہا؟ اس مسجد کی تعمیر کے قبل جتنا حصہ مکہ معظمہ میں یا خود مدینہ میں آنے کے بعد نازل ہو چکا تھا اُس کو بھی آپ نے حفظ کیا یا نہیں؟

یہ وہ سوالات ہیں جن کا کوئی جواب اس روایت سے نہیں نکلتا ہے۔

اس کے ساتھ خود اتقان[1] میں یہ روایت نظر سے گذرتی ہے کہ

اخرج ابن اشتة فی المصاحف	ابن اشتہ نے کتاب المصاحف میں بسند صحیح
بسند صحیح عن محمد بن سیرین	محمد بن سیرین سے روایت کی ہے کہ حضرت
قال مات ابو بکر و لم یجمع	ابو بکر کا انتقال ہو گیا اور آپ نے قرآن حفظ
القرآن و قتل عمر و لم یجمع القرآن	نہ کیا تھا اور اسی طرح حضرت عمر مر گئے

اور قرآن حفظ نہ کیا تھا۔

اس سے حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے اور کوئی شبہ اسمیں نہیں رہتا۔

حضرت عمر کے متعلق اور بھی ایسی روایات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ حافظ قرآن نہ تھے حضرت ابو بکر کے متعلق بھی ایک ایسی ہی روایت ہے اور اس سے حفظ قرآن کے متعلق آپ کا نظریہ بھی صاف ظاہر ہوتا ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔ لان اعرب ایۃ فی القرآن احب الی من ان احفظ ایۃ۔ مجھے قرآن کی ایک آیت کی تفسیر معلوم ہو جائے تو یہ زیادہ محبوب ہے

(۱) مطبوعہ دہلی ص ۱۰۳

با اسقطتہا من سورۃ کذا وکذا۔[1]

فتح الباری میں اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے۔

اسقطتہا دمرّ فی الروایۃ الثانیۃ انسیتہا ھی مفسرۃ لقولہ اسقطتہا وکانہ قال اسقطتہا نسیانا لا عمدا	اس روایت میں یہ ہے کہ میں نے ان آیتوں کو ساقط کر دیا تھا اور دوسری روایت میں جو سابقاً گذری یہ تھا کہ میں ان آیتوں کو بھول گیا تھا۔ وہ اس روایت

کی تشریح ہے۔ گویا حضرت نے فرمایا کہ میں ان آیتوں کو بھولے سے ساقط کر گیا تھا نہ جان بوجھ کر۔

ان روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرتؐ کو قرآن کامل طور سے حفظ نہ تھا اور اس لیے جو آیات آپ بھول جاتے تھے وہ صحابہ کی تلاوت سے آپ کو یاد آجایا کرتے تھے اور ممکن ہے کہ ان آیات کے علاوہ بھی ایسی آیتیں رہی ہوں جو صحابہ کی تلاوت سے آپ کے گوش زد اس طرح نہیں ہوئیں کہ آپ کو یاد آجائیں۔

بہرحال یہ روایات میرے لیے قابل قبول نہیں ہیں اس لیے کہ میں رسولؐ کی ذات کو سہو و نسیان سے بالاتر سمجھتا ہوں۔ آپ حامل وحی اور امانت دار رسالت الٰہی تھے۔ ایک جملہ ایک کلمہ اس وحی کا آپ کی نظر سے

(۱) ص۷۵۲ بخاری نصف دوم

حدثنا احمد بن ابی رجاء قال
حدثنا ابو اسامۃ عن هشام بن
عروۃ عن ابیہ عن عائشۃ قالت
سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم رجلا یقرأ فی سورۃ باللیل
فقال یرحمہ اللہ لقد اذکرنی کذا
وکذا آیۃ کنت انسیتها من
سورۃ کذا وکذا۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسالتمآب
نے ایک شخص کو رات کے وقت
قرآن کی تلاوت کرتے سنا حضرت
نے فرمایا خدا اپنی رحمت اس کے
شامل حال کرے۔ اس نے مجھ کو فلاں
فلاں آیت یاد دلادی، جو میں فلاں
فلاں سورہ سے بھول گیا تھا۔

تیسری روایت (باب من لم یر باسا ان یقول سورۃ البقرۃ
وسورۃ کذا) میں ہے۔

حدثنا بشر بن آدم قال اخبرنا
علی بن مسهر قال حدثنا
هشام عن ابیہ عن عائشۃ
قالت سمع النبی صلی اللہ علیہ
وسلم قارئا یقرأ من اللیل
فی المسجد فقال یرحمہ اللہ
لقد اذکرنی کذا وکذا آیۃ

حضرت عائشہ نے بیان کیا ہے کہ
رسالتمآب نے ایک قاری کو رات کے
وقت مسجد میں تلاوت کرتے ہوئے
سنا۔ آپ نے فرمایا خدا اس پر رحمت
نازل کرے۔ اس نے مجھکو فلاں
آیت یاد دلا دی جو میں فلاں سورہ
سے ساقط کر گیا تھا۔

دوسری طرف خود ادارۂ خلافت کی طرف سے قرآن مجید کی جمع و تالیف کا کام انجام دیا گیا اور زید بن ثابت کی جانفشانی سے یہ کام انجام کو پہونچا۔

مفادِ اسلامی کے محافظِ حقیقی جانشین رسولؐ نے دیکھا کہ جب شاہی توجہ خود قرآن کے جمع کی طرف متوجہ ہوئی ہے اور یہ کام اہتمام خاص سے انجام دیا گیا ہے جس میں سوائے اختلاف ترتیب کے کوئی ایسی اہم خرابی نہیں ہے جو مفاد اسلامی کے لیے مہلک ہو تو آپ نے اپنے جمع کردہ قرآن کی نشر و اشاعت مسلمانوں کے شیرازہ کے بکھرنے اور تشتت و افتراق پیدا ہونے کا سبب سمجھکر ملتوی کی اور اس سلک مروارید کو اتمام حجت کی بنا پر دربار خلافت میں دکھلا کر یہ سننے کے بعد کہ "ہم کو اس کی ضرورت نہیں" اہل زمانہ کی ناقدری کا مرثیہ پڑھتے ہوئے اپنے خزانہ خاص میں محفوظ کر لیا۔

ارکان خلافت کی جانب سے بھی قرآن کو اجزا کی شکل میں یکجا کرنے کے بعد کوئی کوشش اُن کے نشر و اشاعت میں ضروری نہ سمجھی گئی۔ بلکہ صحیح بخاری کی روایت "باب جمع القرآن" میں صاف مذکور ہے کہ

"کانت الصحف عند ابی بکر حتی توفاہ اللہ ثم عند عمر حیاتہ ثم عند حفصۃ بنت عمر۔"

"جمع شدہ صحیفے حضرت ابوبکر کے پاس محفوظ رہے یہاں تک کہ اُن کا انتقال ہوا۔ پھر حضرت عمر کے پاس رہے اُن کی زندگی تک اور اس کے بعد

او جھل ہونا ممکن نہیں ہے۔

خود صحابہ کے حفظ قرآن کی صحت اور عدم صحت کے لیے آپ کا ارشاد معیار اور سند اعتبار ہے۔ یہ نہیں ممکن ہے کہ ان کی قرأت و تلاوت آپ کی یاددہانی کا ذریعہ قرار پائے لیکن اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ خود صحابۂ کرام میں قرآن مجید کے تمام و کمال حفظ کی طرف کوئی خاص توجہ نہ تھی اس لیے رسولؐ کے ایک لاکھ کے قریب صحابہ میں حفاظ قرآن کی فہرست ہاتھ کی انگلیوں پر شمار کر لینے کے قابل رہی اور اس سے زیادہ نہ ہوئی۔

چوتھا تبصرہ

حفاظ قرآن کی کثرت کا سبب اصلی

رسالتمآبؐ کی زندگی میں ان لوگوں کی تعداد جنھوں نے قرآن کو پورے طور سے حفظ کیا ہو بہت کم تھی۔ خلافت اولی کے زمانہ میں بھی صورت حال یہی قائم رہی۔

اگرچہ اس زمانہ میں قرآن مجید مدون صورت سے جمع ہو گیا تھا لیکن رسولؐ کے سچے جانشین امیر المومنین علی ابن ابیطالبؑ نے اس کو شان نزول کے مطابق ناسخ و منسوخ، محکم و متشابہ، تنزیل و تاویل سمیت مرتب فرمایا۔

حضرت عمر نے اپنے زمانہ میں نماز تراویح کی ایجاد کی اور جیسا کہ بخاری کی روایت میں ہے، آپ نے ماہ رمضان کی راتوں کے نوافل ایک حافظ قرآن کی اقتدار میں ادا کرنے کو ایک اچھی بدعت قرار دیا۔ ملاحظہ ہو صحیح بخاری۔ (باب فضل من قام رمضان)[1]۔

فقال عمر انی ارٰی لو جمعت هؤلاء علی قارئ واحد لکان امثل ثم عزم فجمعهم علی ابی بن کعب ثم خرجت معه لیلة اخرٰی والناس یصلون بصلوٰة قارئهم قال عمر نعم البدعة هذه

حضرت عمر نے (لوگوں کو متفرق طور سے نوافل ادا کرتے ہوئے دیکھکر) فرمایا کہ میرے خیال میں اگر ان کو ایک حافظ قرآن کی اقتدار میں مجتمع کر دیا جائے تو یہ بہتر ہے۔ پھر آپنے اس کا قطعی ارادہ کر لیا اور ان کو ابی بن کعب پر مجتمع کر دیا۔ ایک دن آپ مسجد میں آئے ایسے وقت جب لوگ مجتمع طور سے اپنے حافظ کی معیت میں یہ نماز ادا کر رہے تھے آپ نے فرمایا کتنی اچھی بدعت ہے یہ۔

اس بدعت کے ذریعہ سے حفظ قرآن کا ایک مصرف پیدا ہو گیا۔ حاکم کی ایجاد، خلیفة المسلمین کی پسندیدگی اور نعم البدعة کہکے اس کی تعریف اب کیا تھا؟ لوگوں کو اس میں انہماک ہو گیا۔ نماز تراویح کے امام بننے کی ہوس حفظ قرآن کے بغیر پوری کیونکر ہوتی۔ اس لیے بہت سے لوگ جنھوں نے

(۱) ج ۱۔ ص ۲۶۹

حضرت حفصہ اُمّ المومنین بنت حضرت عمر کی طرف منتقل ہوئے (۱)
عام مسلمانوں کے لیے صورت حال جو اس کے قبل تھی وہی باقی رہی۔
یعنی وہ اُن حفاظ سے جو غیر مرتب طور سے منتشر اجزاء کو اپنے پاس محفوظ کیے ہوئے تھے قرآن مجید کی تعلیم اب بھی حاصل کریں لیکن اس صورت سے حفظ کرنے میں دشواری بہت تھی اور کوئی خاص توجہ مسلمانوں کو اپنی محدود ضرورت سے زیادہ قرآن حفظ کرنے کی طرف تھی بھی نہیں۔

اُن مخصوص صحابہ نے جو قرآن کو غیر مرتب حیثیت میں لیکن مکمل طور پر حفظ کیے ہوئے تھے اپنے اپنے مذاق کے مطابق جمع و تالیف کے کام کو بھی انجام دیا۔ جن میں عبداللہ بن مسعود۔ ابی بن کعب۔ معاذ بن جبل خاص اہمیت رکھتے تھے۔ اور ابو موسیٰ اشعری نے بھی اپنے محفوظات کی بنا پر ایک قرآن جمع کیا تھا جسے اہل بصرہ میں مقبولیت حاصل تھی اور وہ انھیں "لباب القلوب" کے نام سے مشہور تھا۔ (۲)

ان مصاحف میں ترتیب کے اعتبار سے زمین آسمان کا تفرقہ تھا اور ایک کو دوسرے سے کوئی لگاؤ نہ تھا۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ہمارا رسالہ "تحریف قرآن کی حقیقت" دوسرا ایڈیشن ص ۶۵-۲۷)۔ اس لیے بھی مسلمانوں کے لیے حفظ قرآن میں آسانی نہ تھی بلکہ بڑی دشواری تھی۔

(۱) بخاری مطبوعہ دہلی نصف دوم ص ۷۴۵ (۲) اعجاز القرآن رافعی مطبوعہ مصر ص ۳۱ و ۲۸

قال اقرانی ابی بن کعب القرآن فاهدیت له قوسا	مجھکو ابی بن کعب نے قرآن حفظ کرایا میں نے اُن کی خدمت میں ایک کمان پیش کی۔
(اصابہ ج ۲ ص ۲۲۵)	

لوگوں نے حفظ قرآن کے متعلق خواب بھی دیکھنا شروع کر دیے۔

چنانچہ سعد بن دحاس نے جو صحابہ میں سے تھے یہ خواب دیکھا کہ ایک حوض ہے جس سے لوگ مشکیں بھر رہے ہیں کسی کی مشک چھوٹی ہے کسی کی بڑی۔ اُنھوں نے پوچھا یہ کیا ہے معلوم ہوا "قرآن"۔

اس خواب کو دیکھکر سعد نے عہد کیا کہ کم از کم سورہ بقرہ اور آل عمران ضرور حفظ کریں گے (۱)

مگر "عصمت بی بی بے چادری" مسلمانوں کا شوق حفظ قرآن کے بارے میں پورے طور سے پورا ہونا ممکن نہ تھا کیونکہ ابھی تک کتابی صورت میں قرآن مجید شائع نہ تھا کسی شخص کے لیے بطور خود کتاب کے واسطہ سے قرآن کو حفظ کرنا ممکن نہ تھا، بلکہ ضرورت اس کی تھی کہ اُنہی معدودے چند افراد کی طرف جو حفظ قرآن کی خصوصیت کے مالک تھے۔ (جیسے ابی بن کعب۔ عبداللہ بن مسعود وغیرہ) رجوع کریں اور اُن کے پاس بیٹھ کر قرآن حفظ کریں اور اس میں جتنی دشواری تھی وہ ظاہر ہے۔

---

(۱) اصابہ ج ۲ ص ۳۶۔

رسالتمآب کے سامنے تھوڑا بہت قرآن حفظ کیا تھا مگر پورا نہ کرسکے تھے۔ انھیں شوق تازہ ہوگیا اور قرآن کے حفظ کی تکمیل کی چنانچہ قیس بن نعمان سکونی کے متعلق ہے کہ کان قد قراء القرآن علی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واحصاہ علی عہد عمر۔

"رسالتمآبؐ کے زمانہ میں کچھ قرآن حفظ کیا تھا مگر اس کی تکمیل حضرت عمر کے زمانہ میں کی۔"(۱)

اصابہ(۲) میں ہے کہ کان قد قرأ القرآن علی عہد عمرؓ انھوں نے قرآن حضرت عمر کے زمانہ میں حفظ کیا۔"

معاذ بن حارث بن ارقم خزرجی نے بھی اسی زمانہ میں حفظ قرآن کیا تھا۔ اس لیے کہ رسالتمآبؐ کے زمانہ کے حفاظ میں ان کا نام کہیں نظر نہیں آتا۔ اور یہ حفظ قرآن ان کے کام بھی آیا چنانچہ حضرت عمر نے ان کو نماز تراویح کا امام مقرر کردیا۔(۳)

ابی بن کعب کے پاس جو سب سے پہلے امام تراویح مقرر کیے گئے تھے۔ لوگ آآکر قرآن حفظ کرنے لگے اور اس سلسلہ میں نذرانے بھی دینے لگے

عن الطفیل بن عمرو الدوسی طفیل بن عمرو دوسی کا بیان ہے کہ

(۱) استیعاب برحاشیہ اصابہ مطبوعہ مصر ج ۳ ص ۲۳۹ (۲) ج ۳ ص ۲۶۱

(۳) اصابہ ج ۳ ص ۴۲۸

حفظ قرآن کا بازار خوب گرم ہو گیا۔ لیکن ان حافظوں میں خود قرآن مجید کی ترتیب سورہ و آیات میں انتہائی فرق تھا جس کی وجہ سے وہ لوگ جو ان سے قرآن حفظ کرتے تھے وہ بھی آپس میں مختلف تھے۔

بیشک چونکہ صوبے مختلف تھے اور شہر جداگانہ۔ ایک کو دوسرے کے محفوظات کا علم ممکن نہ تھا لیکن جب جہاد کا موقع ہوتا اور مختلف شہروں کے مسلمان لڑائی میں جانے کے لیے ایک جگہ مجتمع ہوتے تو آپس کے اختلافات کا علم ہوتا تھا، اور آپس میں جھگڑا ہوتا، ایک کہتا کہ میری قرائت بہتر۔ دوسرا کہتا کہ نہیں میری قرائت بہتر۔

آخر حذیفہ بن یمان نے اس صورت حال کی اطلاع بارگاہ خلافت میں دی، اور حضرت عثمان نے حکم دیا کہ ایک نسخہ مصحف کا زید بن ثابت کی صوابدید سے مرتب ہو جس کی نقلیں تمام مختلف صوبوں میں روانہ کر دی جائیں چنانچہ یہ کام انجام پذیر ہوا اور ایک کمیٹی کے اہتمام سے جس کے صدر زید بن ثابت تھے، مصحف جامع تیار ہو گیا اور اس کی سات نقلیں مختلف ممالک میں روانہ کی گئیں (۱)۔

اس کے بعد حفظ قرآن میں بڑی سہولت ہو گئی اور حفاظ قرآن کی تعداد روز بروز بڑھتی گئی جس کا اصلی سبب نماز تراویح کی ایجاد تھی لیکن اب اس سبب

(۱) اتقان مطبوعہ دہلی ص ۸۵ - ۸۶۔

پھر حضرت عمرؓ اس بات کے روادار بھی نہ تھے کہ عام لوگ قرآن کو بغیر نوشتہ کے سامنے رکھے ہوئے زبانی پڑھیں۔ چنانچہ جب آپ سے حج کے موقع پر "عرفات" میں کسی نے بیان کیا کہ کوفہ میں میں نے ایک شخص کو دیکھا ہے جو قرآن کی زبانی تلاوت کرتا ہے تو آپ کو سخت غصہ آیا، اور فرمایا تھا تو سہی وہ کون ہے؟ جب معلوم ہوا، عبداللہ بن مسعود تو اس وقت آپ کا غصہ فرو ہوا۔ اور فرمایا کہ وہ بے شک اسکے حقدار ہیں کہ قرآن کو زبانی پڑھیں (۱)۔

اس کا نتیجہ تھا کہ جو لوگ قرآن حفظ کرنا بھی چاہتے، ان کو مشق کرنے کا موقع نہ تھا اور اپنے حفظ کو تازہ رکھنا ممکن نہ تھا۔

لیکن حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں مسلمان مختلف اطراف میں منتشر ہو چکے تھے۔ وہ صحابہ بھی کہ جو قرآن کے حافظ تھے متفرق شہروں میں جا کر قیام پذیر ہو گئے تھے۔ تراویح تو اب سنت بن چکی تھی۔

حضرت خلیفۂ ثالث کی پالیسی میں وہ سخت گیری تھی نہیں کہ عوام کو ایک قدم آگے بڑھانے میں بھی سزا کا اندیشہ ہوتا۔

مختلف مقامات کے مسلمانوں نے اپنی اپنی طرف کے حافظوں سے قرآن اخذ کرنا شروع کر دیا۔ اہل دمشق و حمص نے مقداد بن اسود سے، اہل کوفہ نے عبداللہ بن مسعود سے، اہل بصرہ نے ابو موسیٰ اشعری سے اس طرح

(۱) استیعاب برحاشیۂ اصابہ۔ ج ۲ ص ۳۲۲

کس نے بیان کی ہے۔ وہ میرا ہاتھ پکڑ کر ایک گھر میں لے گئے۔ وہاں کچھ اہل تصوف کا مجمع تھا اور ان میں ایک بزرگ تشریف فرما تھے پہلے بزرگ نے کہا کہ دیکھو یہ بزرگ ہیں جنھوں نے مجھ سے یہ حدیث بیان کی ہے۔ میں نے ان سے دریافت کیا کہ حضور نے یہ حدیث کس سے سماعت فرمائی ہے۔ انھوں نے فرمایا

لم یحدثنی احد ولکنا رأینا الناس قد رغبوا عن القرآن فوضعنا لھم ھذا الحدیث لیصرفوا قلوبھم الی القرآن۔

"مجھ سے اس کو کسی نے بیان نہیں کیا ہے لیکن ہم نے دیکھا کہ لوگ قرآن کے بارے میں بے توجہی کرنے لگے ہیں تو ہم نے یہ حدیث وضع کردی تاکہ لوگوں کے دل قرآن کی طرف متوجہ ہوجائیں"

تیسری روایت حاکم نے مدخل میں ابو عمار مروزی سے نقل کی ہے کہ ابوعصمہ جامع سے پوچھا گیا کہ یہ روایت جو تم ابن مالک کی زبانی عکرمہ سے اور اُن کے واسطہ سے عبداللہ بن عباس سے نقل کرتے ہو جس میں فرداً فرداً قرآنی سورتوں کی فضیلت مذکور ہے۔ یہ عکرمہ کے خاص اصحاب کے پاس دستیاب نہیں ہوتی! ابوعصمہ نے کہا

انی رأیت الناس قد اعرضوا عن القرآن واشتغلوا بفقہ ابی حنیفۃ ومغازی ابن اسحق فوضعت ھذا الحدیث حسبۃ۔

"واقعہ یہ ہے کہ میں نے دیکھا لوگ قرآن سے روگرداں ہوگئے ہیں اور

کی طرف بھی کوئی خاص توجہ نہ تھی۔

اب تو رسم۔ طریقہ۔ رواج اور پھر اُسکے ساتھ وضوع روایتیں جنکے ایجاد کرنے کا خود واضعین تنہائی کے موقع پر اقرار بھی کر لیتے تھے

ملاحظہ ہو ابن حبان کی روایت ابن مہدی سے کہ میں نے میسرہ بن عبدربہ سے پوچھا، یہ حدیثیں تم کہاں سے لائے ہو کہ جو شخص فلاں سورہ حفظ کرے اُسکا یہ درجہ ہے، جو فلاں سورہ حفظ کرے اُس کا یہ ثواب ہے۔ اُنھوں نے کہا وضعتہ ارغب الناس فیھا۔

"میں نے یہ روایتیں اس لیے گڑھ لی ہیں کہ لوگوں کو حفظ قرآن کا شوق پیدا ہو"

دوسری روایت موئل بن اسمٰعیل کی ہے کہ مجھ سے ایک علم حدیث کے استاد نے قرآن مجید کے تمام سورتوں کی فضیلت میں ابی بن کعب کی ایک حدیث بیان کی اور کہا کہ مجھ سے ایک بزرگ نے مدائن میں بیان کیا ہے جو زندہ موجود ہیں۔ یہ سُن کر میں مدائن والے بزرگ کے پاس گیا اور اُن سے پوچھا کہ آپ سے یہ حدیث کس نے بیان کی ہے۔ اُنھوں نے کہا کہ مجھ سے ایک بزرگ نے واسط میں بیان کیا ہے جو زندہ موجود ہیں۔ میں واسط والے بزرگ کے پاس گیا اُنھوں نے کہا مجھ سے ایک بزرگ نے بصرہ میں یہ حدیث بیان کی ہے۔ میں بصرہ گیا اُن بزرگ نے کہا کہ مجھ سے عبادان کے ایک بزرگ نے بیان فرمائی ہے میں عبادان کے بزرگ کی خدمت میں گیا۔ اُن سے پوچھا کہ آپ سے یہ حدیث

پانچواں تبصرہ

کتابت قرأت اور حفظ کے مختلف نتائج

جو چیز کسی حیثیت سے مفید ہو یہ ضروری نہیں کہ وہ ہر حیثیت سے مفید ہی ہو بلکہ بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں جو ایک حیثیت سے مفید ہیں تو کئی حیثیتوں سے مضر بھی ہیں۔

عام افراد اکثر اُس کے ایک پہلو پر نظر ڈال لیتے ہیں لیکن اُس کے دوسرے پہلوؤں پر نگاہ ڈالنا ضروری نہیں سمجھتے۔

اسلام آیا تھا اُمی گروہ میں جو زیادہ تر کتابت و قرأت سے عاری تھے اور کسی چیز کو لکھنے اور اُس کو لکھکر پڑھنے کے عادی نہ تھے اس لیے ذوق حفظ اُن میں ترقی پر تھا۔ شعراء کے سو سو دو دو سو شعر کے قصیدے ازبر حفظ کر لیتے تھے اور بڑے بڑے مقررین کی تقریریں زبانی سنا دیتے تھے۔

قرآن کو تواتر کی ضرورت تھی۔ اس کے علاوہ چونکہ وہ مذہبی تعلیمات کا سرچشمہ تھا مسلمانوں کو احکام مذہبی اور حقائق اسلامی سے واقف کرنے کیلیے بھی اُن میں قرآن مجید کے شائع ہونے کی ضرورت تھی۔

اُن کی زبان عربی ہی تھی اور قرآن اُنہی کے روزمرہ اور محاورات کے

زیادہ تر ابو حنیفہ کی فقہ اور ابن اسحٰق کی کتاب مغازی کے مطالعہ میں منہمک ہیں اس لیے میں نے قربۃً الی اللہ یہ حدیث وضع کر دی"۔

ابن صلاح نے لکھا ہے ولقد اخطأ الواحدی المفسر ومن ذکرہ من المفسرین فی ایداعہ تفاسیرھم۔

" واحدی اور دوسرے مفسرین نے غلطی کی ہے کہ اس موضوع حدیث کو اپنی تفاسیر میں جگہ دیدی ہے"(۱)

پھر جب واحدی ایسے مفسرین پر یہ راز منکشف نہ ہوا اور انھوں نے اس قسم کے احادیث کو اپنے تفاسیر میں درج کر دیا تو "وائے برحال عوام"۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حفظ قرآن ذریعۂ ثواب معیار نجات محکّ حقیقت ایمان کی کسوٹی قرار پا گیا اور یہ خیال یہاں تک ترقی کر گیا کہ جو شخص سنت و جماعت مذہب کا پابند نہ ہو اُسے قرآن حفظ ہی نہیں ہو سکتا حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ قرآن حفظ کرنے کا غیر مسلم لوگوں تک نے شرف حاصل کر لیا چہ جائیکہ مسلمان جو قرآن کو کلام الٰہی تسلیم کرتے ہیں۔

---

(۱) اتقان سیوطی مطبوعۂ دہلی ص۲۰۵

لیکن تعلیم و کتابت کی کمی اور ذوق حفظ کی زیادتی نیز موجودہ سیاسی فضا اور اضطرابات اور اس کے بعد جوش فتوحات و تسخیر ممالک نے ایسا ہونے دیا۔
کتابت اور حفظ کو پہلو بہ پہلو رکھکر اگر عقلی حیثیت سے موازنہ کیا جائے، تو دوسری صورت میں بہت سی ایسی کمزوریاں پائی جاتی ہیں جو تشتت و افتراق کا باعث اور غرض اصلی مفقود ہونے کا سبب ہیں۔

کتاب اگر ایک دفعہ لکھ لی گئی اور اس کا پورے طور سے مقابلہ کرکے تصحیح کا کام انجام دیدیا گیا تو وہ اب ہمیشہ کے لیے صحیح ہے۔ جب تک خاص طور سے کوئی اس کو مسخ نہ کرنا چاہے وہ غلط نہ ہو جائیگی۔

لیکن حفظ ہر روز خطرہ کا مرکز ہے۔ فرض کیا جائے کہ ایک دفعہ کسی حافظ نے بڑی جانفشانی و اہتمام کے ساتھ کسی بڑے حافظ سے قرآن یاد کرکے اس کو سنا بھی دیا اور شروع سے آخر تک کہیں غلطی نہ ہوئی اور اس نے تصدیق بھی کردی۔ لیکن طبع انسانی ہر وقت عرضۂ تغیرات و انقلابات ہے۔ ایک ہفتہ کے دن کے فاصلہ میں بہت جگہ واو کی جگہ فا اور فا کی جگہ واو، مقدم کا موخر اور موخر کا مقدم ہو گیا۔

اب انسان نے جو اپنے حفظ کی رو سے پڑھا۔ گر اس کو تردد اور شبہ پیدا ہو گیا کہ یہاں پر واو ہے یا فا تو خیر ممکن بھی ہے کہ وہ پھر اپنے استاد کے جا کر اس کی تجدید کرے لیکن اگر غلطی نے حفظ کی صورت اختیار کر لی تو یہ

مطابق نازل ہوا تھا اس لیے وہ اگر صرف قرآن کو حفظ ہی کر لیتے تب بھی اُسکے ظواہر الفاظ اور بشدرجہ احکام سے واقف ہو جاتے ۔

لہذا اُن کو احکام سے باخبر کرنے کی صورت ہی یہ تھی کہ وہ زیادہ سے زیادہ مقدار میں قرآن کو حفظ کریں۔ اور اس وجہ سے رسالتمآب کی جانب سے قرآن کی تعلیم کے لیے لوگ روانہ کیے جاتے تھے اور مختلف اشخاص متفرق حیثیت سے جتنا ممکن ہوتا تھا قرآن مجید کے آیات کو یاد کرتے تھے ۔

یقیناً اگر تعلیم اُسی وقت شائع ہوتی اور کتابت عام طور سے رائج، تو رسالتمآب کی جانب سے یہی کیا جاتا کہ برابر قرآن مجید کے مختلف نسخے لکھوا کر مختلف اطراف میں روانہ کیے جاتے اور لوگوں کو پابند بنایا جاتا کہ وہ انہی نسخوں کے ذریعہ سے قرآن مجید کو حفظ کریں ۔

بے شک رسالتمآب نے سنگ بنیاد اس کا نصب کر دیا۔ اس طرح کہ خود قرآن مجید کی جو آیت نازل ہوتی اُس کو فوراً لکھوا لیتے تھے اور وہ ایک مکمل صحیح نسخہ قرآن مجید کے آیات کا تھا جو آپ کے پاس محفوظ تھا اور وہی اصل ہو سکتا تھا تمام اُن نسخوں کے لیے جو بعد میں لکھوائے جاتے حضور اکرم کی وفات کے بعد حضرت امیر نے انہی مکتوبہ آیات کو شان نزول کے مطابق ترتیب دے کر ایک مکمل مصحف تیار کر لیا، اور اب مسلمانوں کے لیے یہ صاف راستہ کھلا ہوا تھا کہ وہ اسی مصحف کے مطابق اپنے لیے قرآن کے نسخوں کو نقل کر لیں ۔

پہلے قرآن کو حفظ کیا تھا اور پھر اپنے حفظ کے مطابق اُس کو قلمبند کیا تھا جس کی بنا پر جتنے اختلافات اُن کے حفظ میں تھے وہ سب اُن کے مکتوبہ صحفوں میں آگئے۔ اور کتابت کی بنیاد حفظ پر قرار پانے سے کتابت کا فائدہ مفقود ہو گیا۔

یہ اختلافات اس حد پر تھے کہ حذیفہ بن الیمان کو اُس میں خونریزی و جنگ کا خوفناک مرقع دکھلائی دینے لگا اور اُنھوں نے حضرت عثمان کے پاس اس کی فریاد کی۔

حضرت عثمان نے ان اختلافات کے مٹانے کی تدبیر کی۔ وہی تدبیر جو اسکے بہت پہلے ہونا چاہیے تھی یعنی ایک نسخہ قرآن مجید کا لکھوا کر اُس کی نقلیں کرائی جائیں اور وہ مختلف اطراف میں روانہ کر دی جائیں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ جتنے اختلافات پیدا ہوئے تھے وہ اُس وقت کہ جب قرآن حفاظ قرآن کی توجہ کا مرہون تھا۔ اور اُس کی نشر و اشاعت حفظ و قرات میں محدود تھی۔ لیکن اُس وقت سے کہ جب سے وہ پابند تحریر ہوا اور کتابت کو بنیاد حفظ قرار دیا گیا۔ اُس میں تغیرات کا دروازہ بند ہو گیا بلکہ مسلمانوں نے یہاں تک اُس کی پابندی فرض سمجھی کہ املا کی غلطیاں جو اتفاق سے کاتب کی کارستانی کا نتیجہ تھیں اور شاید واضح سمجھ کر چھوڑ دی گئی تھیں کہ ان کی اصلاح ہو جائے گی وہ قرآن کے رسم الخط کا جزو بن کر اب تک محفوظ رکھی گئیں۔ جیسے لاا اذبحنہ اور لاا وضعوا کا الف جو کوئی صحیح حیثیت نہیں رکھتا وہ اب تک

بھی نہ ہوئی کہ یہاں کچھ کا کچھ ہوگیا تو وہ اسی غلطی پر قائم رہ گیا۔ اُسے تو یہ بھروسہ ہے کہ میرا حفظ معیار امتحان میں کامل ثابت ہو چکا، استاد کی طرف سے سند حاصل کر چکا ہے۔ یہاں اُس میں کتنے انقلابات و تغیرات ہو گئے ہیں جنکی اُسے خبر بھی نہیں۔

یہ صورتیں انسان کے محفوظات میں اکثر پیدا ہوتی ہیں جن کی ہر شخص تصدیق کر سکتا ہے۔ اس کا نتیجہ تھا کہ صدر اسلام میں جو حفظ قرآن پر شروع میں مجبوری اور آخر میں تساہل و بے پرواہی اور دوسری مصروفیتوں کی وجہ سے دار و مدار رکھا گیا تو قرآن کے الفاظ میں وہ اختلافات ہوئے کہ اللہ کی بناء جن کو بعد کے مفسرین نے قراءات سبعہ کے پردہ میں چھپایا اور یہ کہا کہ وہ سب قراءتیں رسالتمآبؐ کے اوپر خدا کی طرف سے نازل شدہ تھیں اور نزل القرآن علی سبعۃ احرف میں احرف سے مراد یہی قراءتیں ہیں۔

حالانکہ حقیقت حال اس کے خلاف ہے اور ان اختلافات کی ذمہ داری کو خدا اور رسولؐ کے اوپر عائد کرنا کتاب الہی کی عظمت اور اسکے وقار و استحکام کے منافی ہے۔

ابی بن کعب اور ابن مسعود نے بے شک قلمبند صورت میں مصحف کو ترتیب دیا تھا لیکن انھوں نے اپنے مصحف کو براہ راست رسالتمآبؐ کے مکتوبہ نسخۂ قرآن کی رو سے نہیں لکھا تھا اور نہ اس سے مطابق کیا تھا جبکہ

"میں نے دیکھا کہ قرآن میں لوگ (یاد کی غلطی سے) زیادتی کر دیتے ہیں تو میں نے ارادہ کیا کہ میں اپنی ردا، سوائے حالت نماز کے دوش پر نہ ڈالوں گا جب تک کہ قرآن کو مجتمع نہ کرلوں۔"(۱)

پھر آپ نے علم نحو کی بنیاد اسی لیے ڈالی کہ قرآن کے پڑھنے میں اعرابی غلطیوں کا سدباب ہو۔ جیسا کہ ابوالبرکان عبدالرحمن بن محمد بن انباری سے نزہتہ الالبا ء میں لکھا ہے کہ حضرت علیؑ نے ایک اعرابی کو سُنا کہ وہ پڑھ رہا ہے لایا کلہ الا الخاطئین۔ حالانکہ پڑھنا چاہیئے۔ لایا کلہ الا الخاطئون حضرت نے اسی کے بعد علم نحو کی بنیاد ڈالی۔(۲)

آپ کے شاگرد خاص ابوالاسود دوئلی نے آپ کی نگرانی میں اُس کی تدوین کی اور اُس کے قواعد وضوابط مرتب کیے اور یہی ابوالاسود وہ ہیں جنھوں نے قرآن مجید میں نقطے اور اعراب لگائے۔ اور یہ بیان کیا کہ میں نے اس کا طریقہ علی بن ابیطالبؑ سے سیکھا ہے۔(۳)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اکرمؐ اور آپ کے وصی علی بن ابیطالبؑ اور آپ کے باختصاص شاگرد یہ چاہتے تھے کہ قرآن مجید کی قرات ایک مستحکم علمی بنیاد اور مضبوط اصول پر ہو اور کس کتابت کے ساتھ قرات ہونے سے غلطی اور بھول چوک

---

(۱) اتقان سیوطی مطبوعہ دہلی صـ۸۲ ۔ (۲) مجلہ "الضیار" لکھنؤ۔ ج ۲ صـ۹۵ ۔

(۳) اصابہ۔ ج ۲ صـ۲۴۳

موجود ہے اور یادگار کی حیثیت سے دورِ اول کی تجدید کر رہا ہے۔

اس کے بعد قرأتِ سبعہ کے اختلافات جو پیدا ہوئے ہیں وہ بھی خط اور طریق قرأت کے اختلافات کا نتیجہ ہیں۔ جو کتابت کے نقاط و علامات اعرابی سے خالی ہونے کا نتیجہ تھے۔

اور جب سے نقاط و علامات اعراب کی وضع ہو گئی۔ اس اختلاف کا دروازہ بھی مسدود ہو گیا۔ اور قرآن مجید ایک منضبط شکل کے اوپر دنیا میں محفوظ ہے۔

مسلمانوں کا وقتاً فوقتاً کتابت کی تکمیل کی طرف متوجہ ہونا خود اس کی دلیل ہے کہ خط ہر صورت سے درد کا درماں نہ تھا، اور اُس میں خرابیاں پیدا ہوتی جا رہی تھیں۔ اور اسی لیے "ضرورت ایجاد کی ماں ہے" کے مقولے کے مطابق وہ صورتیں ایجاد ہوتی رہتی تھیں جن سے ان خرابیوں کا سد باب ہو۔

خود رسالتمآبؐ اور اُن کا علم سپرد رہ روحانی خلیفہ اور جانشین اس صورت حال پر پہلے سے متوجہ تھے۔ چنانچہ رسالتمآبؐ نے اسی لیے کاتبانِ وحی کی جماعت مقرر کر کے اپنے پاس قرآن مجید کا وہ مکمل نسخہ تیار کر لیا تھا جس میں سوائے متفرق اور غیر مرتب ہونے کے اور کوئی کمی نہ تھی۔

حضرتؐ کے بعد امیر المومنینؑ نے سب سے پہلا کام جو کیا وہ یہ کہ قرآن کو یکجا صورت میں ترتیب دیدیا جس کے متعلق آپ نے فرمایا: رایت کتاب اللّٰہ یزاد فیہ فحدثت نفسی ان لا البس ردائی الا للصلوٰۃ حتی اجمعہ

انھیں یاد نہیں آسکتا۔

اسی طرح کسی استشہاد کے موقع پر یا استدلال کے لیے انھیں وہ آیت پیش نظر نہیں ہوتی جو شاہد یا دلیل کے طور پر پیش ہونے کے قابل ہے۔ اس لیے کہ وہ آیت تو ایک مسلسل نظام کے اندر ہے جس کے خصوصی اجزاء پر انکی نظر نہیں ہے۔

ان تمام احکام سے مستثنیٰ وہی حافظ ہو سکتے ہیں جنھوں نے قرآن کو تدبّر کے ساتھ حفظ کیا ہو، جو رسالتآبؐ کی ہدایت تھی، اور جس پر آپ کا اپنے صحابہ کے لیے عملدرآمد تھا۔ آپ کبھی اس کو پسند نہ فرماتے تھے کہ آپ کے اصحاب قرآن کو سرسری طور پر حفظ کر لیں۔ بلکہ آپ کے زمانہ میں حفظ کرنے والے اصحاب خاص طور سے حفظ قرآن کیا کرتے تھے جس میں تدبّر کا جوہر خاص طور پر محفوظ ہوتا تھا۔

حافظ جلال الدین سیوطی اپنی کتاب "اتقان" میں تحریر کرتے ہیں۔ قال ابو عبد الرحمٰن السّلمی حدّثنا الذین کانوا یقرءون القرآن کعثمان بن عفّان وعبد اللہ بن مسعود وغیرھما انّھم کانوا اذا تعلّموا من النبیّ صلی اللہ علیہ وسلّم عشر اٰیات لم یتجاوزوھا حتّٰی یتعلّموا ما فیھا من العلم والعمل قالوا فعلمنا القراٰن والعلم والعمل جمیعا وھٰذا کانوا یبقون مدّۃ فی حفظ السورۃ۔

"ابو عبد الرحمٰن سلمی کا بیان ہے کہ مجھ سے اُن لوگوں نے جو رسالتمآبؐ کے

کا امکان کم رہے۔

مگر افسوس ہے کہ عام افراد اس نکتہ پر متوجہ نہ ہوئے اور وہ مکتوبی صورت کے رو سے تلاوت کرنے کے بجائے زبانی قرآن حفظ کرنے اور اس کے پڑھنے میں منہمک ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کرتا ہے کہ انسان کو الفاظ کے خصوصیات و جزئیات۔ اور اُن کی ترکیبی ساخت و پرداخت کی طرف کوئی توجہ نہ رہے۔

انسانی افتاد طبع کی بنا پر یہ قاعدہ کلیہ کی حیثیت رکھتا ہے کہ جب تک ایک چیز انسان کو زبانی رٹی ہوئی اور حفظ نہیں ہے، انسان کو اُس کے پڑھنے میں اُسکے الفاظ و معانی کے خصوصیات پر توجہ ہوتی ہے۔ یعنی اُس کا تعلق انسان کے دل و دماغ کے ساتھ باقی رہتا ہے۔ لیکن ادھر انسان نے اُس کو رٹ لیا اور حفظ کرلیا۔ اب تعلق اُس کا انسان کے دل و دماغ سے قطع ہو گیا۔ اب اُس کا تعلق براہ راست انسان کی زبان کے ساتھ ہو جاتا ہے۔ اسی وجہ سے بعض وقت پڑھنے کے موقع پر انسان کو کوئی توجہ اُن الفاظ کی طرف ہوتی ہی نہیں جو اُسکی زبان سے نکل رہے ہیں۔ بلکہ زبان خود ایک مرتب نظام کے اوپر ایک لفظ سے دوسری لفظ کی طرف منتقل ہوتی ہے۔ اسلیے اکثر ایسی چیزیں انسان سوتے میں یا غفلت و بیخبری کے عالم میں پڑھ دیتا ہے اور اسے توجہ نہیں ہوتی۔

اور اسی کا نتیجہ ہے کہ اکثر اس طرح کے حافظ جب درمیان سے سلسلہ قطع ہو جائے یا اتفاق سے بھول جائیں، تو جب تک شروع سے پھر نہ پڑھیں

منھا انہ جمع من القراء ثلثین رجلاً فکانوا یعدون حروف المصحف وکلمہ شھرا ولو راھم عمر او عثمان او علیؓ یصنعون ھذا لاوجعھم ضربا۔

"حجاج بن یوسف ثقفی کی بدعتوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تیس آدمی حافظوں میں سے جمع کیے جو ایک مہینہ تک قرآن کے حرفوں اور لفظوں کا شمار کرتے رہے حالانکہ اگر حضرت عمر یا حضرت عثمان یا حضرت علیؓ ایسا کرتے دیکھتے تو سخت سزا دیتے۔"

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ معانی زینت طاق نسیاں بن گئے اور الفاظ قرآن کے ظاہری حافظ ہر طرف کثرت سے نظر آنے لگے۔

چھٹا تبصرہ

حفظ قرآن کے بارے میں شیعوں کی کم توجہی کے وجوہ

اور

معانی قرآن میں شیعوں کے خدمات

گذشتہ حصہ کتاب میں حفاظ قرآن کی کثرت کے اسباب و حفظ قرآن کی اہمیت و افادیت کے متعلق جو تبصرے لکھے گئے ہیں انہی سے یہ نتیجہ نکل آتا ہے کہ شیعوں نے

سامنے حفظ قرآن کرتے تھے۔ جیسے عثمان بن عفان و عبداللہ بن مسعود وغیرہ، بیان کیا کہ وہ لوگ جب رسالتمآب ؐ سے دس آیتوں کی تعلیم حاصل کرتے تھے تو اُن آیتوں سے آگے نہ بڑھتے تھے جب تک وہ تمام باتیں علم و عمل کی جو اُن آیات میں مضمر ہیں سمجھ نہ لیں۔ اس طرح حضرت ہم لوگوں کو قرآن اور علم اور عمل ایک ساتھ تعلیم فرماتے تھے اور اسی کا نتیجہ تھا کہ اُن کو ایک مدت ایک سورہ کی تعلیم میں گذر جاتی تھی۔"

انس کا بیان ہے کہ کان الرجل اذا قرأ البقرۃ وال عمران جلّ فی اعیننا۔

"کوئی شخص اگر سورۂ بقرہ اور آل عمران حفظ کر لیتا تھا تو وہ ہماری نظر میں معزز ہو جاتا تھا"

اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ زیادہ حفظ کرنے کے بجائے اس کو بہتر سمجھتے تھے کہ جتنا حفظ کرے اُس کو تمام معانی و حقائق کے ساتھ محفوظ کرے اور صرف ظاہری حفظ قرآن پر اکتفا نہ ہو۔

لیکن افسوس ہے کہ بعد کے لوگوں نے اس جوہر کو گم کر دیا اور اُن کی تمام توجہ صرف الفاظ کی طرف مبذول ہو گئی۔ ظاہر پرست حکّام نے اُن کی ہمت افزائی کی چنانچہ سید مرتضیٰ زبیدی اپنی کتاب (اتحاف السادۃ المتقین بشرح احیاء علوم الدین) مطبوعہ مصر ج ۱ ص ۲۴۲ میں لکھتے ہیں۔

تابعی ہیں جن کو حجاج بن یوسف نے بجرم تشیع شہید کیا تھا۔ ان کا تفصیلی تذکرہ بضمن حفاظ قرآن اس کتاب میں آئندہ آئیگا۔

سدی کبیر اسمٰعیل بن عبدالرحمٰن کوفی بھی، اگرچہ ہمارے علماء کو اُن کے تشیع میں تامل ہے .... لیکن ابن قتیبہ کی کتاب معارف میں اُن کے شیعہ ہونے کی تصریح ہے۔

نیز محمد بن سائب بن بشر کلبی بھی شیعہ تھے اور سمعانی نے کتاب الانساب میں اُن کے تشیع کی تصریح کی ہے۔ ان کی تفسیر کتب تفاسیر میں خاص اہمیت رکھتی ہے اور احکام القرآن میں یہ سب سے پہلے مؤلف ہیں۔

جابر بن یزید جعفی نے جو امام محمد باقرؑ کے اصحاب میں سے تھے تفسیر قرآن تحریر کی اور ان کی وفات ۱۲۷ھ میں ہے۔

یہ لوگ وہ ہیں جن کے پہلے تفسیر قرآن کی تصنیف کے راستہ میں کسی غیر کے قدم نہیں ہیں۔

غریب القرآن یعنی قرآن مجید کے لغات کی شرح میں سب سے پہلے مصنّف ابان بن تغلب ہیں جن کا تذکرہ حفاظ قرآن کے ذیل میں آئے گا۔

ابو جعفر رواسی۔ ابو عثمان مازنی۔ فراء۔ علی بن محمد سمیساطی۔ ابن درید کوفی۔ بھی وہ لوگ ہیں جو اس سلسلہ میں تقدم کا درجہ رکھتے ہیں۔

معانی قرآن میں بھی ابان بن تغلب مقدم ہیں اور ابو جعفر رواسی و فرّاء

الفاظ قرآن کے زبانی حفظ کے متعلق پوری توجہ کیوں نہیں کی ؟

واقعہ یہ ہے کہ حفاظ قرآن کی کثرت کا اصلی سبب نماز تراویح کا ایجاد ہونا تھا شیعہ نماز تراویح کو بدعت سمجھتے تھے ۔ دوسرا سبب دنیاوی حکام کا قرآن کے الفاظ پر زیادہ توجہ صرف کرکے حفاظ کی ہمت افزائی کرنا تھا ۔ شیعہ ہمیشہ اُن حکام کے طرز عمل کو مشکوک نظر سے دیکھتے تھے اور اُن کے کسی طرز عمل کو اسلام کی خیر خواہی پر محمول نہ سمجھتے تھے ۔ آئمہ معصومین نے جن کے اقوال و ہدایات پر شیعوں کا عمل رہا کیا ، اپنے پیش رو اور مورث اعلیٰ حضرت رسول اکرمؐ کی پیروی میں صرف الفاظ قرآن کے حفظ کو کوئی اہمیت نہیں دی بلکہ زیادہ توجہ معانی پر مبذول رکھی ۔ اس کے بعد شیعوں کو حفظ قرآن کی طرف زیادہ توجہ ہوتی تو کیوں ؟

بیشک قرآن کی معنوی حیثیت سے جو حقیقۃً اہم درجہ رکھتی ہے شیعوں نے وسیع خدمات انجام دیئے ۔

علامۃ الدہر آقا سید حسن صدر دام ظلہٗ کی کتاب الشیعہ و فنون الاسلام" میں پہلی فصل " تقدم الشیعۃ فی علوم القرآن" ہی کے بارے میں ہے ۔ جس میں ثابت کیا ہے کہ قرآن مجید سے متعلق جتنے علوم و فنون ہیں سب میں تقدم کا سہرا شیعوں کے سر ہے ۔

تفسیر کا علم جو ان میں سب سے اہم ہے اُس میں سب سے پہلے مصنف سعید بن جبیرؓ

صدرِ اوّل کے بڑے مفسر ترجمان القرآن امام المفسرین عبداللہ بن عباس
تھے جن کا تذکرہ حفاظ شیعہ کے ذیل میں اس کتاب میں آئے گا۔

طاؤس۔ اعمش۔ سعید بن مسیب۔ حمران بن اعین۔ ابو حمزہ ثمالی۔ ابو بصیر اسدی
حصین بن مخارق۔ ابو جنادہ سلولی۔ ابو الحسن کسائی یہ سب پہلی صدی کے مفسرین
ہیں، جو ائمۂ فن شمار کیے جاتے تھے، اور وہ سب شیعہ جماعت سے تعلق رکھتے ہیں۔

پھر محمد بن خالد برقی اور اُن کے بھائی حسن بن خالد۔ علی بن حسن بن فضال
ابراہیم بن محمد بن سعید ثقفی کوفی۔ علی بن ابراہیم بن ہاشم قمی۔ علی بن بابویہ قمی۔ شیخ محمد
بن حسن بن احمد بن ولید۔ شیخ فرات بن ابراہیم۔ ابن دول قمی۔ ابو الفضل سلمہ بن
خطاب۔ محمد بن ابراہیم بن جعفر ابو عبداللہ کاتب نعمانی۔ محمد بن عباس بن علی بن
مروان معروف با بن الحجام تیسری اور چوتھی صدی کے اشخاص ہیں جنھوں نے
تفسیر قرآن میں کارِ نمایاں انجام دیئے ہیں۔

وسطی طبقہ میں جو علماء کا تھا شیخ محمد بن حسن شیبانی کی کتاب "نہج البیان
عن کشف معانی القرآن"۔ شیخ مفیدؒ کی کتاب "البیان فی انواع علوم القرآن"۔
شیخ محمد بن احمد بن ابراہیم صابونی کی کتاب "معانی تفسیر القرآن"۔ اس شعبہ میں
خاص درجہ رکھتی ہیں۔

شیخ الطائفہ ابو جعفر محمد بن حسن طوسی جو عام طور پر شیخ طوسی کے نام سے
یاد کیے جاتے ہیں۔ اُن کی کتاب "تبیان فی علوم القرآن" دس جلدوں میں تھی۔

نے اسمیں تصنیف کی خدمت انجام دی ہے۔

ناسخ ومنسوخ قرآن میں عبداللہ بن عبدالرحمٰن اصم مسمعی بصری پہلے مصنف ہیں۔ یہ امام جعفر صادقؑ کے اصحاب میں سے تھے، اور دارم بن قبیصہ بن نہشل بن مجمع تمیمی دارمی جو امام رضاؑ تک کی ملاقات سے شرفیاب ہوئے ہیں۔ ان حضرات کے پہلے کوئی شخص ناسخ ومنسوخ کا مصنف نظر نہیں آتا۔

نوادر قرآن کے مصنفین علی بن ابراہیم قمی، علی بن حسن بن فضال۔ ابونصر عیاشی۔ فہرست ابن ندیم میں ان کا تذکرہ موجود ہے اور لکھا ہے کہ وہ شیعہ تھے

متشابہ قرآن میں پہلے مصنف حمزہ بن حبیب زیات کوفی ہیں جو امام جعفر صادقؑ کے صحابی اور شیعہ تھے۔

ان کے بعد دوسرے علماء نے بھی اس فن میں تصانیف لکھے ہیں جیسے محمد بن احمد وزیر جو شیخ طوسی کے معاصر تھے اور علامہ ابن شہر آشوب جن کی کتاب متشابہات القرآن ہماری بھی نظر سے گذری ہے۔

مجازات القرآن میں سب سے پہلے مصنف فرار یحییٰ بن زیاد نحوی ہیں جنکے تشیع کا اعتزال کے نام سے سیوطی نے بھی اقرار کیا ہے۔

علامہ سید رضی جامع نہج البلاغہ کی کتاب اس سلسلہ میں بے بہا درجہ رکھتی ہے۔

امثال القرآن میں سب سے پہلا نام محمد بن محمد بن جنید کا نظر آتا ہے اور انکے پہلے کوئی معلوم نہیں ہوتا۔

موجودہ ضرورت زمانہ اور شکوک و شبہات کا استیصال مدنظر رکھا ہے۔ لیکن اُس کی صرف ایک جلد شائع ہو سکی اور موصوف کا انتقال ہو گیا۔

یہ ہیں شیعی خدمات جو قرآن کی افادی حیثیت سے تعلق رکھتے ہیں اور وہ کسی طرح سبک نہیں سمجھے جا سکتے۔ رہ گیا قرآن کے الفاظ کا حفظ، وہ قرآن کی افادی حیثیت میں کوئی دخل نہیں رکھتا۔ اگر اس میں شیعوں کی طرف سے کوتاہی ہوئی ہو تو وہ سرزنش کی مستحق نہیں ہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ شیعی فرقے نے اس شعبہ میں بھی اپنے تئیں عاجز و درماندہ ثابت نہیں ہونے دیا، اور وہ شروع اسلام سے ہر دور میں حفاظ قرآن کی اتنی جماعت پیدا کرتا رہا جو اگر اکیلی ہوتی تب بھی تواتر کے مقصد کو حاصل کر سکتی تھی۔

یہ تھے وہ تبصرے جن کو اصل مقصد کے شروع کے قبل ذکر کرنا ہم کو ضروری معلوم ہوتا تھا۔

جن میں سے بعض مجلدات عراق اور ایران میں موجود ہیں۔ اور سید رضی جامع نہج البلاغہ کی کتاب حقائق التنزیل ودقائق التاویل" حقائق علوم قرآن پر ایک گرانمایہ ذخیرہ ہے جس کا مثل ونظیر موجود نہیں ہے۔ اس کے بھی بعض مجلدات قلمی حیثیت میں عراق میں موجود ہیں۔

ابوالفتوح رازی کی کتاب "روض الجنان فی تفسیر القرآن" بیس جلدوں میں ہے، اور تمام علوم قرآن کی جامع ہے۔ اور امین الاسلام ابوعلی طبرسی کی کتاب "مجمع البیان" مطبوعہ حیثیت سے موجود ہے۔ قطب الدین راوندی کی کتاب "خلاصۃ التفاسیر" بیس حصوں میں ہے جس کی نسبت علامہ سید حسن صدر تحریر فرماتے ہیں "من حسن التفاسیر المتأخرۃ عن الشیخ ابی جعفر الطوسی"۔ وہ شیخ طوسی کے بعد کی بہترین تفسیروں میں سے ہے"۔

سید ہاشم بحرینی کی کتاب "البرہان فی تفسیر القرآن"۔ اور سید محسن فیض کاشانی کی تفسیر "صافی" اور "اصفی"۔ شیخ فتح اللہ شیرازی کی تفسیر "منہج الصادقین" اور "خلاصۃ المنہج" مشہور ومعروف اور شائع وذائع ہیں۔

علامہ اعلیٰ جنت مآب سید تقی صاحب قبلہ کی کتاب تفسیر "ینابیع الانوار" تکمیل تفسیر ہے، جو اگر تمام ہوگئی ہوتی تو علوم وحقائق قرآن کا ایک خزانہ عامرہ تھی۔

اور موجودہ زمانہ میں نجف اشرف کے مشہور عالم آقا شیخ جواد بلاغی طاب ثراہ نے "آلاء الرحمٰن فی تفسیر القرآن" لکھنا شروع کی تھی جس میں اختصار کے ساتھ

عقبۂ ثانیہ میں رسالتمآب صلعم کی بیعت کی اور جنگ بدر میں شریک ہوئے۔

ابن عبد البر نے استیعاب میں لکھا ہے۔

كان احد فقهاء الصحابة واقرأهم لكتاب الله روى عن النبي صلى الله عليه وسلم انه قال اقرأ امتي ابيّ وروى عنه انه قال له امرت ان اقرأ عليك القرآن او اعرض عليك القرآن قال الله سمّاني لك قال نعم فجعل ابيّ يبكي۔

یہ اُن صحابہ میں سے ہیں جو فقہ میں مہارت رکھتے تھے، اور حفظ قرآن میں سب کے اوپر فوقیت رکھتے تھے جناب رسالتمآب صلعم کا ارشاد تھا کہ میری امت میں سب سے بڑا حافظ ابی ہے نیز رسالتمآب صلعم سے روایت ہے کہ آپ نے ابی سے فرمایا مجھ کو حکم ہوا ہے کہ میں قرآن تم کو پڑھکر سنایا کروں (تاکہ تمھیں یاد ہو) ابی نے عرض کیا کہ خدا نے میرا نام لیا ہے؟ حضرت نے فرمایا ہاں، یہ سنکر ابی رونے لگے۔

حضرت عمر آپ کے حفظ قرآن کے بڑے معتقد تھے۔ استیعاب میں لکھا ہے کہ

روينا عن عمر من وجوه انه قال اقضانا علي واقرأنا ابيّ۔

حضرت عمر سے متعدد طرق سے یہ روایت ہم کو پہونچی ہے کہ آپ نے کہا ہم میں علم قضا کے سب سے بڑے ماہر علی بن ابیطالب اور حفظ میں سب سے بڑے ابی ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی اصابہ میں لکھتے ہیں۔

اصل کتاب کا افتتاح

تذکرہ حفّاظ شیعہ

اس تذکرہ کو پہلے ہم نے "علم رجال" کی کتابوں کے طریقہ پر حروف تہجی کے اعتبار سے ترتیب دینا چاہا تھا لیکن غور کرنے سے معلوم ہوا کہ یہ طریقہ سوائے نام ڈھونڈھنے کی سہولت کے اور کسی خاص مقصد پر مبنی نہیں ہے۔ بلکہ اس سے بہتر صورت یہ ہے کہ کتاب کو تاریخی حیثیت سے وقت و زمانہ کے لحاظ سے ترتیب دیا جائے اور ہر دور کے حفاظ ایک ساتھ ترتیب زمانی کا لحاظ کرتے ہوئے درج کیے جائیں۔

پہلی سہولت کے لحاظ سے ایک فہرست آخر میں حروف تہجی کی ترتیب پر شامل کی جا سکتی ہے جس سے نام ڈھونڈھنے میں آسانی ہوگی۔

پہلی صدی ہجری کے حفاظ

(۱)

ابی بن کعب انصاری

کنیت ابو الطفیل اور ابو المنذر تھی۔ رسالتمآبؐ کے صحابہ میں ممتاز درجہ رکھتے تھے

"یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے قرآن مجید کو حفظ کیا تھا رسالتمآبؐ کے سامنے"۔ نقیب دیار مصر سید محمد علی ببلاوی اپنی کتاب "التعریف بالنبی والقرآن الشریف"[1] میں لکھتے ہیں۔

کان عمر بن الخطاب یسأله	حضرت عمر مشکل مسائل میں اُن سے
فی النوازل ویحاکم الیه	دریافت کرتے تھے اور سخت مقدمات
فی المعضلات وکان یسمیه	میں اُن سے فیصلہ کرتے تھے اور آپ انھیں
سید المسلمین وسید	سید المسلمین اور سید القراء کے
القراء۔	نام سے یاد کرتے تھے۔

اسی کتاب میں دوسرے موقع پر[2] ان کو ایسے حفاظ میں شمار کیا ہے جن کے کمال پر تمام صحابہ کا اتفاق تھا۔

ان کا شیعہ ہونا ہمارے یہاں بالکل مسلّم ہے۔ ابتدائی دورِ خلافت میں وہ ۱۲ آدمی جنھوں نے مسجد نبوی میں کھڑے ہو کر حق کی آواز کو بلند کیا تھا۔ اُنمیں ابی بن کعب ایک ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔

ابو جعفر احمد بن محمد بن خالد برقی متوفی ۲۷۴ھ کی کتاب الرجال میں ان لوگوں کا تذکرہ موجود ہے، اور اُنکی تقریریں بھی درج کی ہیں۔ وہ لکھتے ہیں۔

(اسماء المنکرین علی ابی بکر وھم اثنا عشر رجلا ستة

(۱) مطبوعہ مصر ۱۳۰۲ھ (۲) صفحہ ۸۲

كان عمر يسمّيه سيد المسلمين	حضرت عمران کو سید المسلمین (تمام مسلمانوں کا
ويقول اقرأنا ابي وروى	سردار) کہتے تھے اور فرماتے تھے کہ ہم میں
ذلك عن النبي صلى الله	سب سے بڑے حافظ ابی ہیں اور یہ رسالتمآبؐ
عليه وآله وسلم ايضا و	سے بھی منقول ہے۔ ائمہ محدثین نے ان کے
اخرج الائمة احاديثه في	روایات صحاح میں درج کیے ہیں اور مسروق نے
صحاحهم وعدّه مسروق	ان کو اُن چھ صحابیوں میں شمار کیا ہے
في الستة من اصحاب الفتيا	جو فتویٰ دیتے تھے صحابہ میں سے حضرت عمر
وروى عنه من الصحابة	ان سے روایت کرتے ہیں اور مشکل مسائل
عمر وكان يسأله عن النوازل	میں ان سے رجوع بھی کرتے اور دشوار قضیوں
ويتحاكم اليه في المعضلات	میں اُنکے فیصلہ کے پابند ہوتے تھے۔

دمیری نے حیوۃ الحیوان[1] میں جو حفاظ قرآن کی فہرست لکھی ہے اُس میں بھی ان کا نام سب سے پہلے ہے۔

من جمع القرآن حفظا على عهد رسول الله ابي بن كعب ومعاذ بن جبل وابو زيد الانصاري وابو الدرداء وزيد بن ثابت وعثمان بن عفان وتميم الداري وعبادة بن الصامت وابو ايوب الانصاري۔

[1] مطبوعہ مصر ج ۱ صفحہ ۲۹۰۔

علامہ سید علیخاں مدنی کی کتاب (الدرجات الرفیعہ فی طبقات الشیعہ) میں
اُن کے حالات تفصیل سے مذکور ہیں۔ اُس میں ابی بن کعب کی یہ روایت بھی درج ہے

قال مررت عشیة یوم السقیفة	میں سقیفہ کے دن شام کے وقت انصار
بحلقة الانصار فسألونی	کے گروہ میں پہونچا تو اُنھوں نے پوچھا
من این مجیئك قلت من	کہاں سے آرہے ہو؟ میں نے کہا رسالتمآبؐ
عند اهل بیت رسول اللهؐ	کے گھرانے والوں کے پاس سے۔ اُنھوں نے
قالوا كیف تركتهم وما حالهم	کہا کہ بتاؤ تو اُن کا کیا حال ہے اور کس عالم
قلت وكیف تكون حال قوم	میں تم نے اُن کو چھوڑا؟ میں نے کہا تم ہی
كان بیتهم الی الیوم موطئ	سمجھ لو کیا عالم ہوگا اُن لوگوں کا جن کا گھر
جبرئیل ومنزل رسول	اب تک جبرئیل کی فرودگاہ اور رسولؐ کی
رب العالمین وقد زال الیوم	قیامگاہ تھا اور آج وہ بات جاتی رہی اور
ذلك وذهب حكم اهلهم	حکومت بھی اُن سے نکال لی گئی۔ یہ کہکر ابی
ثم بكی ابیؓ وبكی الحاضرون	رونے لگے اور جتنے لوگ تھے وہ سب بھی رونے لگے۔

سید مرتضیٰ علم الہدیٰ نے کتاب فصول مختارہ میں جو اُن کے اُستاد شیخ مفید رح کی کتاب العیون والمحاسن" کے انتخاب کی حیثیت رکھتی ہے۔ لکھا ہے کہ ابی بن کعب مسجد نبوی میں بلند آواز سے کہتے تھے کہ "الا هلك اهل العقدة والله ما آسی علیهم وانما آسی علی من یضلون من بعد" ہلاک ہوئے

من المهاجرین وستة من الانصار۔

"وہ لوگ جنھوں نے خلافت اولی پر اعتراض کیا تھا، بارہ اشخاص تھے

چھ مہاجرین میں سے اور چھ انصار میں سے۔"

مہاجرین میں سے ابوذر غفاری سلمان فارسی خالد بن سعید بن عاص۔

مقداد بن اسود۔ بریدہ اسلمی۔ عمار بن یاسر۔

انصار میں سے خزیمہ بن ثابت سہل بن حنیف۔ ابوا لہیثم ابن تیہان۔ قیس بن

سعد بن عبادہ۔ ابی بن کعب۔ ابوایوب انصاری۔

یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے نماز جمعہ کے بعد مسجد نبوی کے اندر مسلمانوں کے

بھرے مجمع میں صورت حال پر احتجاج اور تبلیغ حق کے فرض کو انجام دیا۔

ان لوگوں کی تقریر یا اس موقع کی اب تک محفوظ ہیں۔

چند آدمیوں کی تقریروں کے بعد ابی بن کعب کھڑے ہوئے تھے اور انھوں نے کہا۔

اشهد انی سمعت رسول الله	میں گواہی دیتا ہوں اس بات کی کہ میں نے
صلی الله علیه وآله یقول	رسالتمآب کو فرماتے ہوئے سنا کہ علی بن
علی بن ابیطالب امامکم	ابیطالب تمھارے امام ہیں میرے بعد اور وہی
بعدی وهو انصح لامتی۔	میری امت کے خالص رہنما ہیں۔

علامہ صدوق محمد بن بابویہ قمی کی کتاب امالی اور علامہ حلی کی کتاب خلاصہ سے

بھی ان کی جلالت قدر اور رفعت مرتبہ پر روشنی پڑتی ہے۔

درج کیا ہے جو حضرت ابوبکر کی بیعت سے علیحدہ ہو گئے تھے چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔ (۱)

انثال الناس علیہ یبایعونہ خلا جماعۃ من بنی ھاشم والزبیر وعتبۃ بن ابی لھب وخالد بن سعید بن العاص والمقداد بن عمرو وسلمان الفارسی وابی ذر وعمار بن یاسر والبراء بن عازب وابی بن کعب ومالوا مع علی بن ابیطالب۔

"لوگ آپ کی بیعت کے لیے ٹوٹ پڑے لیکن کچھ لوگ بنی ہاشم میں سے اور زبیر اور عتبہ ابن ابولہب اور خالد بن سعید بن عاص اور مقداد اور سلمان اور ابوذر اور عمار اور براء بن عازب اور ابی بن کعب ان لوگوں نے علی بن ابیطالب کا ساتھ دیا"

طبری نے مبہم طریقہ سے لکھا ہے کہ

قالت الانصار او بعض الانصار لا نبایع الا علیا۔

"سب نے یا بعض نے انصار میں سے کہا کہ ہم سوائے علی کے کسی کی بیعت نہیں کریں گے"

کامل ابن اثیر میں بھی ایسے ہی الفاظ ہیں۔ ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ میں لکھا ہے۔

ان سلمان والزبیر والانصار کان ھواھم ان یبایعوا علیا علیہ السلام بعد النبی ص۔

---

(۱) تاریخ ابو الفداء ج ۱ ص ۱۵۶ مطبوعہ مصر۔

قرارداد کرنے والے، خدا کی قسم مجھے ان پر افسوس نہیں آتا، بلکہ افسوس آتا ہے،
اُن لوگوں کے حال پر جو آئندہ نسلوں میں ان کے ہاتھ سے گمراہ ہونگے۔"

فقیل یا صاحب رسول اللہ من ھؤلاء اھل العقدۃ وما عقدتم

دریافت کیا گیا کہ اے صحابی پیغمبر یہ قرارداد کرنے والے کون ہیں اور ان کی
قرارداد کیا ہے؟"

ابی ابن کعب نے کہا،

قوم تعاقدوا بینھم ان مات رسول اللہ لم یورثوا احدا من
اھل بیتہ ولا یولوھم مقامہ

"یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے قرارداد کر لی تھی اپنے درمیان میں کہ اگر رسالتمآب
کا انتقال ہو جائے تو اُن کے اہلبیت میں سے کسی کو میراث ملنے نہ دیں گے اور
نہ اُن کو آپ کی جگہ پر بیٹھنے دینگے۔"

یہ مناظرہ یا کسی اختلافی مسئلہ کی تحقیقات کی کتاب نہیں ہے۔ بلکہ تاریخی و
علمی حیثیت رکھتی ہے۔ اس لیے اپنی معتبر روایات کو ہم نے بیان واقعات
کے طور پر درج کر دیا۔

سواد اعظم کے کتب میں بھی ایسے امور کا پتہ چلتا ہے جن سے مذکورہ بالا روایات
کی تائید ہوتی ہے۔

مورخ ابوالفدا نے صاف صاف ان کا نام اُن لوگوں کی فہرست میں

گمراہ ہوں گے۔ میں نے کہا قرار داد کرنے والوں سے آپ کا کیا مقصود ہے انھوں نے کہا حکام لوگ۔

• یہ روایت بہت قریب ہے اُس روایت سے جو سید مرتضیٰ علم الہدیٰ کی کتاب سے اس کے قبل درج کی گئی تھی۔

ابی بن کعب کا حضرت خلیفۂ ثانی کے ساتھ اتحاد عمل اور مشکل مسائل میں امداد دینا وہی حیثیت رکھتا ہے جس طرح خود امیر المومنینؑ مشکل مسائل میں امداد دیا کرتے تھے۔

نماز تراویح کے امام ہونے سے بھی کوئی نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا۔ اس لیے کہ جب تک آپ کے حقیقی پیشوا امیر المومنینؑ کا اسلام کے اجتماعی مفاد کی غرض سے یہ مسلک تھا کہ شاہی اقدامات میں مداخلت نہ کی جائے اُس وقت تک آپ کے متبعین کے لیے بہر حال احکام سلطانی کو تسلیم کرنا ضروری تھا آپ کے لیے امام کی حیثیت سے نماز پڑھانا نماز نافلہ ادا کرنے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ تشریع و بدعت کی ذمہ داری اُن لوگوں کے احساس کے قابل ہے جو ماموم کی حیثیت سے اقتدار کر کے نافلہ کو جماعت سے ادا کرنے کے مرتکب تھے یا ممکن ہے آپ کا خیال اُس وقت یہی ہو کہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اس لیے کہ یہ کوئی اہم مذہبی مسئلہ نہ تھا بلکہ فروعی حکم ہے اور ممکن ہے کہ اُس زمانہ میں نظری حیثیت رکھتا ہو۔

"مسلمان، زبیر اور انصار کی خواہش تھی کہ وہ رسالتمآبؐ کے بعد حضرت علیؑ کی بیعت کریں۔"

یقیناً ان سب یا بعض میں ابی بن کعب کو خاص درجہ حاصل ہے۔

حافظ نسائی نے قیس بن عباد سے نقل کیا ہے کہ[1]

بینا انا فی المسجد فی الصف المقدم فجبذنی رجل من خلفی جبذة فنحانی وقام مقامی فواللہ ما عقلت صلوتی فلما انصرفت اذ ھو ابی بن کعب فقال یا فتی لا یسوءک ان ھذا عھد من النبیؐ الینا ان نلیہ ثم استقبل القبلۃ فقال ھلک اھل العقد ورب الکعبۃ ثلثا ثم قال واللہ ما اسی علیھم ولکن اسی علی من اضلوا قلت ما تعنی یا اھل العقد قال الامراء۔

"میں مسجد میں پہلی صف میں نماز پڑھ رہا تھا کہ ایک شخص نے مجھ کو کھینچا اور مجھے ہٹا کر خود میری جگہ پر کھڑا ہو گیا۔ جب میں نماز پڑھ چکا، تو دیکھا کہ وہ ابی بن کعب تھے۔ کہنے لگے۔ اے صاحبزادے، تم کو ناگوار نہ ہو کہ میں نے ایسا کیا۔ یہ رسالتمآبؐ کا عہد ہے کہ یہ جگہ ہمارے لیے مخصوص ہے۔ پھر انھوں نے قبلہ کی طرف رخ کیا اور تین مرتبہ کہا کہ ہلاک ہوتے قرارداد کرنے والے" پھر کہا۔ بخدا مجھے ان پر افسوس نہیں آتا بلکہ اُن لوگوں پر افسوس آتا ہے جو ان کے ہاتھوں

---

(۱) سنن نسائی ص ۱۲۳ مطبوعہ کانپور

قال عمر انت تلقیتها من فی
محمد رسول الله ﷺ قال نعم
وفی الثالثة قال وهو غضبان
نعم والله لقد انزلها الله
علی جبرئیل وانزلها جبرئیل
علی قلب محمد ﷺ ولم یستأمر
فیها الخطاب ولا ابنه فخرج عمر
رافعا یدیه وهو یقول الله
اکبر الله اکبر

دہن سے سنا ہے؟ ابی نے کہا ہاں اور
تیسری بار پوچھنے پر بڑے غصہ سے کہا
کہ ہاں خدا کی قسم اس کو خدا نے جبرئیل پر
اور جبرئیل نے محمد مصطفےٰ ﷺ کے قلب پر نازل
کیا۔ بیشک خطاب اور اُس کے بیٹے سے
مشورہ نہیں لیا (اتنا قصور ضرور ہوا)
یہ سُنکر حضرت عمر وہاں سے باہر نکلے بطرح
کہ دونوں ہاتھ اپنے آسمان کی طرف
اُٹھائے تھے اور کہہ رہے تھے اللہ اکبر اللہ اکبر

(کنز العمال مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدر آباد۔ ج ۱ ص ۲۸۵)

دوسری روایت

عن ابن جریج عن عمرو بن دینار
قال سمعت بجالة التمیمی
قال وجد عمر بن الخطاب
مصحفا فی حجر غلام فی المسجد
فیه النبی اولی بالمؤمنین
من انفسهم وهو ابوهم

حضرت عمر نے مسجد نبوی میں ایک لڑکے
کے پاس ایک مصحف دیکھا، جس میں
یہ آیت تھی کہ النبی اولی بالمؤمنین
من انفسہم وھو ابوھم۔
آپ نے فرمایا اے لڑکے اس (وھو ابوھم)
کے ٹکڑے کو چھیل دے۔ اُس نے

آپ کے وہ واقعات جو حضرت خلیفۂ ثانی کے ساتھ گذرے ہیں اور اُن الفاظ سے جو آپ کی طرف سے اکثر کہے گئے ہیں، یہ حقیقت ظاہر ہے کہ آپ کی نظر میں کوئی روحانی عظمت اپنے مخاطب کی نہ تھی۔

ملاحظہ ہوں کنز العمال کی حسب ذیل روایتیں۔

عن ابی اسامة ومحمد بن ابراهیم التیمی قالا مر عمر بن الخطاب برجل وهو یقرأ والسابقون الاولون من المهاجرین والانصار الذین اتبعوهم باحسان فوقف عمر فقال انصرف فانصرف الرجل فقال من اقرأك هذه قال اقرأنیها ابی بن کعب قال فانطلق الیه فانطلقنا الیه فقال یا ابا المنذر اخبرنی هذه اقرأته هذه الایة قال صدق تلقیتها من فی رسول الله ﷺ

حضرت عمر کا ایک شخص کی طرف سے گذر ہوا جو یہ آیت پڑھ رہا تھا والسابقون الاولون الخ۔ آپ ٹھہر گئے اور فرمایا ذرا ادھر تو آؤ۔ وہ آپ کے پاس آیا۔ آپ نے فرمایا تمھیں یہ کس نے یاد کرایا ہے اُس نے کہا مجھے ابی بن کعب نے یاد کرایا ہے۔ یہ سُنکر آپ نے فرمایا کہ چلو ابی بن کعب کے پاس وہ آپ کو لے کر ابی کے پاس آیا آپ نے فرمایا کہ یہ شخص کہتا ہے کہ تم نے اسے یہ آیت تعلیم کی ہے۔ ابی نے کہا سچ کہتا ہے میں نے یہ آیت رسالتمآب کے دہن سے سُنی ہے۔ حضرت عمر نے (تعجب سے) کہا تم نے اس کو رسول خدا محمد مصطفےٰ کے

یا عمر انک لتعلم انی کنت احضر و تغیبون و ادنی و تحجبون و یصنع بی و یصنع بی ۔

کہ میں آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا اور تم لوگ موجود نہ ہوتے تھے ۔ اور میں قریب بلایا جاتا تھا اور تم لوگ روکے جاتے تھے اور میرے ساتھ یہ سلوک ہوتا تھا ۔ یہ سلوک ہوتا تھا (بہت کچھ ابی نے بیان کیا) ۔

پانچویں روایت

عن ابن عباس قال بینا انا اقرأ ایۃ من کتاب اللہ فی سکۃ من سکک المدینۃ اذ سمعت صوتا من خلفی اتبع یا ابن عباس اتبع یا ابن عباس یعنی اسند فالتفت فاذا بعمر بن الخطاب فقلت اتبعک علی ابی بن کعب فقال لمولی اذھب الی ابی فقل لہ انت اقرأتہ ھذہ الایۃ فانطلقنا الی ابی

ابن عباس کا بیان ہے کہ میں مدینہ کی ایک گلی میں ایک آیت کلام پاک کی پڑھتا ہوا جا رہا تھا ، میں نے اپنے پیچھے سے آواز سنی کہ سند بتاؤ اے ابن عباس سند بتاؤ ۔ میں مڑا تو میں نے دیکھا کہ حضرت عمر ہیں ۔ میں نے کہا میں آپ کو ابی بن کعب کا حوالہ دیتا ہوں ، یہ سنکر آپ نے اپنے ایک غلام سے کہا کہ جا ابی کے پاس اور ان سے دریافت کر کہ کیا تم نے ان کو یہ آیت یاد کرائی ہے ۔ ہم ابی کے پاس گئے ابھی

فقال احکها یا غلام فقال
واللہ لا احکها وهی فی مصحف
ابی بن کعب فانطلقوا الی
ابیّ فقال له انی شغلنی القرآن
وشغلك الصفق بالاسواق
(ج ۶ ص ۴۲۹)

کہا یہ نہیں ہوسکتا یہ ابی بن کعب کا مصحف ہے
آپ فوراً ابی کے پاس پہونچے اور اُن سے
دریافت کیا۔ اُنھوں نے کہا میں قرآن حفظ
کرنے میں مصروف رہتا تھا، اور
تم کو بازاروں میں خرید و فروخت کرنے
سے فرصت نہ تھی۔

تیسری روایت۔

عن الحسن ان عمر بن الخطاب
ردّ علی ابیّ بن کعب قراءة
آیة فقال ابیّ لقد سمعتها
من رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم وانت یلهیك
یا عمر الصفق بالبقیع فقال
عمر صدقت۔

حضرت عمر نے ابی بن کعب پر کسی آیت
کی قرارت کے متعلق اعتراض کیا تو
ابی نے کہا کہ میں نے اس کو رسول اللہ صلعم
سے خود سنا ہے اور تم کو بقیع کے بازار
میں خرید و فروخت سے فرصت نہ تھی
حضرت عمر نے کہا یہ تم ٹھیک
کہتے ہو۔

چوتھی روایت

عن ابی ادریس الخولانی
ان ابی بن کعب قال لعمر واللہ

ابو ادریس خولانی کا بیان ہے کہ ابی بن کعب
نے حضرت عمر سے کہا خدا کی قسم تم کو معلوم ہے

کے لیے یا کوئی حاجت لے کر؟ حضرت عمر نے کہا نہیں۔ حاجت ہی لے کر آیا ہوں۔ آخر تم لوگوں کو (رحمت خدا سے) مایوس کیوں کرتے ہو؟ ابی نے کہا اچھا شاید کوئی آیت آپ نے سُنی ہے جو منسوخ ہے! معلوم ہونا چاہیے کہ میں نے قرآن کو حاصل کیا ہے اُس شخص (رسولؐ) سے کہ جس نے تازہ تازہ اُس کو جبرئیل امین سے حاصل کیا تھا؟ یہ سُن کر حضرت عمر نے ہاتھ پر ہاتھ مارا اور کھڑے ہو گئے یہ کہتے ہوئے کہ "تم خدا کی قسم کسی طرح باز نہ آؤ گے اور مجھے کسی طرح تاب نہ آئے گی۔ تم کسی طرح باز نہ آؤ گے اور مجھے کسی طرح تاب نہ آئے گی۔"

(ان تینوں روایتوں کے لیے ملاحظہ ہو کنزالعمال ج ۱ صـ ۲۸۳)

ان روایات سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کس قدر صاف گو تھے۔۔ حقیقت امر کے اظہار میں بڑی طاقت سے مرعوب نہ ہوتے تھے

آپ کی وفات سنہ ۱۹ھ میں ہوئی ہے اور سنہ ۲۲ھ کے متعلق بھی بعض راویوں کا بیان موجود ہے۔ بہرحال آپ کا انتقال خلافت حضرت عمر میں ثابت ہوتا ہے۔ لیکن چوتھا قول یہ ہے کہ آپ نے بزمانہ خلافت حضرت عثمان سنہ ۳۰ھ میں انتقال کیا۔

"اتقان وغیرہ کی وہ روایت جس میں یہ ہے کہ جب حضرت عثمان کے پاس مصاحف کا مقابلہ ہو رہا تھا تو آپ نے لم یتسن۔۔ فامہل الکافرین اور لا تبدیل للخلق کے الفاظ کو ابی بن کعب کے پاس تحقیق کے لیے بھیجا۔"

فانا بباب داره اذ جاء عمر فاستأذن
فاذن له فدخلنا معه الى ابي وجاريته
[illegible] نطرح لعمر
وسادة من ادم فجلس عليها وابي
مقبل بوجهه [illegible] حائط وظهره
الى عمر [illegible] فقال ما
[illegible] اقبل بي عليه
بوجهه فقال [illegible] يا امير المؤمنين
اتانا [illegible] طالب حاجة
فقال لا [illegible] قد علام [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] طب
[illegible] وقيل
[illegible] انا لصابر
[illegible] انا لصابر

میں ان کے دروازہ پر پہونچا تھا کہ
خود حضرت عمر آ گئے اور اندر آنے
کی اجازت مانگی۔ ابی نے اجازت
دی ہم لوگ ابی کے پاس پہونچے،
ایسی حالت میں کہ کنیز ان کی ان کے
سر میں کنگھا کر رہی تھی۔ حضرت عمر
کے لیے ایک چمڑے کا ٹکڑا بیٹھنے کے
لیے ڈال دیا گیا، آپ اس پر بیٹھ گئے اور ہم
بیٹھ گئے اور ابی بن کعب ایک
دیوار کی طرف منھ کیے بیٹھے تھے اسطرح
بیٹھے رہے اور ان کی پشت حضرت عمر
کی طرف تھی یہ دیکھ کر حضرت عمر نے رخ
کیا ابی کی طرف اور کہا دیکھو تو یہ شخص
ابی ہم کو کچھ سمجھتا ہی نہیں تھوڑی دیر
میں ابی بن کعب نے رخ کیا حضرت عمر
کی طرف اور کہا۔ خوش آمدید خلیفۃ المسلمین
اسوقت کہاں آنا ہوا وصرف ملاقات

محبت رکھتا ہے۔ پوچھا گیا وہ کون ہیں؟ فرمایا علیؑ اور مقداد اور سلمان اور ابوذر[1]

علامہ شیخ مصطفےٰ صادق رافعی نے اپنی کتاب (اعجاز القرآن)[2] میں تحریر کیا ہے

تفرق المسلمون فی الامصار	مسلمان مختلف اطراف میں متفرق ہو گئے
فاخذ اهل کل مصر عن رجل	اور ہر شہر کے لوگوں نے باقی ماندہ حفاظ
من بقیة القراء فاهل دمشق	میں سے کسی ایک سے قرآن کی تعلیم حاصل
وحمص اخذوا عن المقداد	کرنا شروع کر دی چنانچہ اہل دمشق اور حمص
بن الاسود۔	نے مقداد بن اسود سے حاصل کیا۔

اس میں مقداد کے حافظ قرآن ہونے کی تصریح موجود ہے۔

استیعاب ابن عبد البر[3] میں ہے۔

روی حماد بن سلمة عن	جناب رسالتمآبؐ نے ایک شخص کو قرآن
ثابت عن انس ان النبی صلی الله	پڑھتے سنا جو اپنی آواز قرآن کے ساتھ
علیه وسلم سمع رجلا یقرأ و	بلند کر رہا تھا حضرت نے فرمایا یہ اواب
یرفع صوته بالقرآن فقال	ہے عبادت گذار ہے دوسرے کو سنا
اواب وسمع اخر یرفع صوته فقال مراء	کہ وہ بھی اپنی آواز بلند کر رہا ہے۔
فنظرنا فاذا الاول المقداد بن عمرو۔	تو فرمایا یہ دکھاوے والا [illegible]

(۱) استیعاب برحاشیہ اصابہ ج ۳ ص ۴۷۶ (۲) مطبوعہ مصر ص ۳۔

(۳) حاشیہ اصابہ ج ۱ ص ۴۷۶

انھوں نے قلم دوات منگوا کر للخلق کی لفظ میں ایک لام چھیل کر لخلق اللہ بنا دیا
اور فاصحل کو چھیل کر فحمل بنا یا اور لم تمیتق میں ہ ملا کر لم یتسنہ کر دیا

اس آخری قول کی موید ہے۔

(۲)

مقداد بن عمرو (۲)

رسالتمآب کے ممتاز صحابی تھے۔ جنگ بدر اور تمام اسلامی غزوات میں
رسالتمآب کے ہمراہ رکاب تھے۔ ابن مسعود نے ان کا شمار ان سات آدمیوں
میں کیا ہے جنہوں نے سب سے پہلے اسلام ظاہر کیا۔

فریقین کی متفقہ روایت ہے رسالتمآب کی حدیث کہ ان اللہ عز
وجل امرنی بحب اربعۃ من اصحابی واخبرنی انہ یحبھم قیل
یا رسول اللہ من ھم قال علی والمقداد وسلمان وابوذر
"خداوند عالم نے مجھے امور کیا ہے کہ میں اپنے اصحاب میں سے چار
آدمیوں کے ساتھ محبت رکھوں۔ اور مجھے خبر دی گئی ہے کہ خدا ان سے

---

(۱) اصل روایت کے لیے ملاحظہ ہو تحریف قرآن کی حقیقت ص۱۲۴
(۲) عام طور سے مقداد بن اسود کندی مشہور ہیں۔ اسلیے کہ اسود بن عبد یغوث زہری نے آپ کو
متبنی بنا لیا تھا لیکن اصل میں آپ مقداد بن عمرو بن ثعلبہ بن مالک بہراوی تھے قبیلہ بہرا بن
عمرو سے جو قضاعہ کی ایک شاخ ہے ۱۲

زبیر الحمد یار۔ مضبوط تھا۔

عام اسلامی مورخین کے تصریحات سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے۔
ملاحظہ ہو ابو الفدار کی فہرست جو ابی بن کعب کے تذکرہ میں نذر ناظرین ہوئی۔ ان لوگوں میں جو حضرت ابوبکر کی بیعت سے کنارہ کش ہوئے تھے، مقداد کا نام بھی موجود ہے اور لکھا ہے کہ انھوں نے علی بن ابیطالب کا ساتھ دیا تھا۔

ابو حاتم سجستانی نے کتاب الزینۃ میں ان الفاظ کی تشریح میں جو اہل علم کے درمیان متداول ہیں لکھا ہے (۱)

ان اول اسم ظهر في الاسلام	سب سے پہلا نام جو رسالتمآب کے
على عهد رسول الله هو	زمانہ میں اسلام میں ظاہر ہوا وہ "شیعہ"
الشيعة وكان هذا لقب	ہے۔ یہ لقب تھا چار آدمیوں کا صحابہ
اربعة من الصحابة وهم	میں سے۔ ابوذر، سلمان اور مقداد
ابوذر وسلمان الفارسي	اور عمار [illegible] زمانہ تک رہے
والمقداد بن الاسود	ان سے [illegible] اس کے بعد

(۱) روضات الجنات ص۸۸ میں اس عبارت کو نقل کیا ہے

کتاب الزینۃ کے متعلق کشف الظنون ج ۲ ص۱۷۹ کہا ہے۔

کتاب الزینۃ لابی حاتم سہل بن محمد السجستانی المتوفی ۲۰۵ھ

کسی نے جاکر دیکھا تو معلوم ہوا کہ پہلے شخص مقداد بن عمرو تھے۔

قرآن پڑھنے والے لوگ اُس زمانہ میں سوائے حافظ کے کچھ اور نہ ہوتے تھے۔ بے شک اُس وقت قرآن پورا نازل ہی نہ ہوا تھا تاکہ پورے قرآن کے حافظ ہو سکتے لیکن اس کے بعد تکمیل ممکن تھی۔ شیعیت کے لیے ان کی کسی سند کی ضرورت نہیں ہے۔ دنیا کے روشن حقائق اگر درجے رکھتے ہیں تو یہ اوّل درجہ میں درج ہونے والی حقیقت سمجھی جا سکتی ہے۔

ایمہ معصومینؑ کے تصریحات ان کی جلالت قدر اور ثبات قدم کے اظہار میں متواتر ہیں۔

حق کے جادہ سے انحراف کی آندھی اگر کچھ لوگوں پر بالکل کارگر ہوئی تھی تو وہ چند ہی تھے جن میں اوّل نمبر مقداد کا ہے۔ امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں۔

ان اردت الذی لم یشک	اگر ایسا شخص پوچھو کہ جسکو شک نہیں ہوا
ولم یدخلہ شیٔ فالمقداد	اور کسی قسم کا خیال بھی دراہ حق سے ہٹنے

کا پیدا نہیں ہوا تو وہ مقداد ہیں۔

دوسری روایت میں ہے

ما بقی احد الا وقد جال جولۃ	کوئی ایسا نہیں رہا جس نے ایک ذرا
الا المقداد بن الاسود	ادھر ادھر جنبش نہ لگایا ہو سوائے مقداد
فان قلبہ کان مثل	بن اسود کے کہ اُن کا دل لوہے کی طرح

جعل یمدح عثمان فعمد المقداد	کرنے لگا حضرت مقداد سن رہے تھے
وجثا علی رکبتیه وکان	آپ نے دونوں گھٹنے ٹیک دیے
رجلا ضخما فجعل یحثو فی	اور سنگریزے اس کے چہرہ پر پھینکنے
وجهه الحصی فقال له عثمان	لگے حضرت عثمان نے کہا میں! یہ کیا
ما شانک قال ان رسول اللهﷺ	کہتے ہو؟ آپ نے کہا کہ رسالتمآبؐ نے فرمایا
قال اذا رأیتم المداحین	ہے جب (بیجا) تعریف کرنیوالوں کو دیکھو
فاحثوا فی وجوههم التراب	تو ان کے منہ میں خاک جھونک دو

مدینہ سے تین میل پر مقام جرف میں جو آپ کی املاک تھی ۳۳ھ میں آپ کی وفات ہوئی اور آپ کی لاش کو مدینہ میں لاکر وہاں دفن کیا گیا۔

(۳)

عبادہ بن صامت انصاری

رسالتمآبؐ کے بلند مرتبہ صحابی ہیں۔ جنگ بدر اور تمام لڑائیوں میں حضرت رسالتمآبؐ کے ساتھ حاضر تھے۔ ان کا شمار فقہاء صحابہ میں تھا۔ ابن حزم نے لکھا ہے کہ ان کے فتاویٰ سے ایک جزو کا رسالہ مرتب کیا جاسکتا ہے(۱)

محمد بن کعب قرظی کا قول ہے کہ جمع القرآن فی زمن النبیؐ خمسة

(۱) اصابہ۔ ج ۱ ص ۱۲

عمار بن یاسر الی ادان صفین — علی بن ابیطالبؑ کے دوستوں میں
فاشتہر بین موالی علی بن ابیطالبؑ — عام طور سے شائع ہوگیا۔

ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ(۱) میں سقیفہ بنی ساعدہ کے حالات کے ذیل میں براء بن عازب کی روایت نقل کی ہے جو طولانی ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ براء کہتے ہیں۔

فمکثت اکابد ما فی نفسی — میں نے اپنے غم و غصہ کا دن بھر مقابلہ کیا
ورائیت فی اللیل المقداد — اور شب کو مقداد، سلمان، ابوذر، عبادہ
وسلمان واباذر وعبادة — ابن صامت، ابو الہیثم بن تیہان حذیفہ
بن الصامت واباالھیثم — عمار سے ملاقات ہوئی۔ معلوم ہوا کہ یہ
بن التیھان وحذیفة وعمارا — لوگ سب (موجودہ بیعت سے ناراض ہیں)
وھم یریدون ان یعید — چاہتے ہیں کہ یہ معاملہ مہاجرین کی جماعت
الامر شوری بین المھاجرین — میں پیش ہو اور وہ اس پر نظر ثانی کریں۔

شیخ ابو الحسن مقدسی نے اپنی تاریخ میں مقداد کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے
"کان من جملة شیعة علی بن ابیطالب" یہ منجملہ شیعیان علی بن ابیطالب کے تھے

صحیح مسلم میں ہے۔

عن ھمام بن الحرث ان رجلا — ایک شخص حضرت عثمان کی تعریف

---

(۱) مطبوعہ مصر ج ۱ ص ۷۴

من وجہ آخر عن محمد بن کعب	کیا ہے اور اتنا زیادہ لکھا ہے کہ یزید بن
وزاد فکتب یزید بن ابی	ابی سفیان نے حضرت عمر کو لکھا کہ اہل شام
سفیان الی عمر قد احتاج	کو ایسے شخص کی ضرورت ہے جو اُن کو
اهل الشام الی من یعلمهم	قرآن کی تعلیم دے اور فقہی احکام بتلائے
القرآن و یفقههم فارسل	آپ نے معاذ بن جبل اور عبادہ بن صامت
معاذا و عبادة و ابا الدرداء	اور ابو الدرداء کو شام کی طرف روانہ کیا
فاقام عبادة بفلسطین ولعبادة	عبادہ نے فلسطین میں قیام کیا۔ عبادہ
قصص متعددة مع معاویة	کو معاویہ کے ساتھ بہت واقعات پیش
وانکاره علیه اشیاء و فی	آئے ہیں جن میں آپ نے معاویہ کی بہت سی
بعضها رجوع معاویة له و فی	باتوں پر اعتراض کیا اور انہیں سے بعض میں
بعضها شکواه الی عثمان منه	معاویہ نے آپ کی بات پر عمل کیا ہے اور
تدل علی قوته فی دین الله و	بعض میں آپ کی شکایت حضرت عثمان سے
قیامه بالمعروف۔	کی ہے جن سے پتہ چلتا ہے کہ کس درجہ آپ

مذہب کے معاملہ میں مستقل مزاج اور امر بالمعروف کے فرض کو انجام دینے والے تھے۔

ان کے تشیع کے متعلق شیخ طوسیؒ اپنی کتاب رجال میں لکھتے ہیں۔

ممن اقام بالبصرة وکان شیعیا۔ اُن کا قیام بصرہ میں تھا اور

یہ شیعہ تھے"

من الانصار۔

"قرآن مجید کو رسالتمآبؐ کے زمانہ میں پانچ آدمیوں نے انصار میں سے حفظ کیا"

ان میں عبادۃ بن صامت کا بھی نام ہے (۱)

دمیری نے حیوٰۃ الحیوان میں بھی من جمع القرآن حفظا علی عہد رسول اللہؐ

(جن لوگوں نے قرآن کو ازبر حفظ کیا تھا رسالتمآبؐ کے سامنے) ان کی فہرست میں عبادۃ بن صامت کا نام لیا ہے (۲)

عبید نے کتاب القرأۃ میں ایک باب قائم کیا ہے (القرآء من اصحاب النبیؐ "صحابہ میں سے جو لوگ حافظ قرآن تھے"۔ ان میں عبادۃ بن صامت کا ذکر کیا ہے۔ (۳)

حافظ ابن حجر عسقلانی اصابہ (۴) میں لکھتے ہیں۔

روی ابن سعد فی ترجمتہ	ابن سعد نے ان کے حالات میں محمد بن
من طریق محمد بن کعب القرظی	کعب قرظی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ انھوں نے
انہ ممن جمع القرآن فی عہد النبی	رسالتمآبؐ کے زمانہ میں حفظ قرآن کیا تھا
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	بخاری نے بھی تاریخ میں اس کو ایک
وکذا اخرجہ البخاری فی التاریخ	دوسری سند سے محمد بن کعب سے نقل

(۱) اسد الغابہ ج ۳ ص۱۰۶ و اتقان مطبوعہ دہلی ص۱۰۳ (۲) حیوٰۃ الحیوان مطبوعہ مصر ج ا ص۴۹
(۳) اتقان ص۱۰۳ (۴) ج ۲ ص۲۶۹

بن الصامت فارسل الیٰ
معاویۃ فلما اتاہ وسّع لہ بینہ
وبین عمرو بن العاص فجلس
بینھما فحمد اللّٰہ معاویۃ و
اثنیٰ علیہ وذکر فضل عبادۃ
وسابقتہ وذکر فضل عثمان
وما نالہ وحضّ عبادۃ علی
القیام معہ فقال عبادۃ قد
سمعت ما قلت اتدریان
لما جلست بینکما قالا نعم
لفضلک وسابقتک وشرفک
قال لا واللّٰہ ما جلست بینکما
لذٰلک وما کنت لاجلس
بینکما فی مکانکما ولکن بینا
نحن نسیر مع رسول اللّٰہ
اذ نظر الیکما تسیران وانتما
تحدثان فقال لنا اذا رایتموھما

تو آپ اُن کے ذریعہ سے لوگوں کے
دلوں کو خوب متوجہ کر سکیں گے اور وہ
عبادہ بن صامت ہیں۔ معاویہ نے عبادہ
کو بلوا بھیجا۔ جب وہ آئے تو معاویہ نے
اپنے اور عمرو عاص کے درمیان میں اُنکے
لیے جگہ خالی کی ۔ وہ وہاں بیٹھ گئے ۔
معاویہ نے حمد و ثنائے الٰہی کے بعد عبادہ
کی بڑی تعریفیں کیں اور اُن کے فضل و
شرف کا تذکرہ کیا۔ پھر حضرت عثمان کی
فضیلت اور اُن کے قتل کیے جانے کا
ذکر کیا اور عبادہ کو ترغیب دی کہ وہ
اُن کے ساتھ کھڑے ہوں۔ عبادہ سب
سنتے رہے جب معاویہ نے تقریر ختم کی تو
عبادہ نے کہا تم جانتے ہو میں تم دونوں
کے درمیان میں کیوں بیٹھ گیا۔ معاویہ
نے کہا ہاں اپنے فضل و شرف اور
عظمت کے سبب سے۔ عبادہ نے کہا نہیں

علامۂ حلیؒ نے خلاصۃ الرجال میں انہی لفظوں کا اعادہ کیا ہے۔ رجال کشی میں فضل بن شاذان سے نقل کیا ہے کہ انہ من السابقین الذین رجعوا الی امیر المومنین علیہ السلام۔

"یہ اُن لوگوں میں سے تھے جو شروع ہی میں امیر المومنین سے آکر ملحق ہو گئے تھے"

ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ میں براء بن عازب کی روایت میں جن لوگوں کا تذکرہ کیا ہے کہ وہ خلافت حضرت ابوبکر سے ناراض تھے اور چاہتے تھے کہ پھر اس مسئلہ کو مہاجرین کی جمعیت میں پیش کریں۔ اُن میں عبادہ بن صامت کا نام بھی ہے۔

ابن عبد ربہ نے عقد فرید ج ۲ میں لکھا ہے۔

لما قدم عمرو بن العاص علی	جب عمرو بن عاص معاویہ کے پاس گئے
معاویۃ وقام معہ فی شان	اور معاویہ نے اُن کے لیے مصر کا تحفہ
علی بعد ان جعل لہ مصر	پیش کر دیا اور اس کے بعد وہ دونوں
طعمۃ قال لہ ان بارضک	حضرت علیؑ کی مخالفت میں متحد ہو گئے
رجلا لہ شرف واسم واللہ	تو عمرو عاص نے معاویہ سے کہا کہ آپ کے
ان قام معک استھوت	ملک میں ایک بڑے درجہ کا شخص ہے
بہ قلوب الناس وھو عبادۃ	وہ اگر آپ کے ساتھ کھڑا ہو جائے تو

(۱) مطبوعہ مصر ج ۱ ص ۴۷

(۴۳)

حذیفہ بن الیمانؓ

حضرت رسولؐ کے بڑے بلند مرتبہ صحابی ہیں۔ رسالتمآبؐ نے ان کو منافقین کے اسماء بتا دیے تھے جن کو آپ ازداری کیساتھ محفوظ رکھتے تھے، اور اس لیے صاحب سرّ رسول اللہؐ "رسالتمآبؐ کے رازدار" کہے جاتے تھے۔ حضرت عمر نے معیار مقرر کر لیا تھا کہ جو شخص صحابہ میں سے انتقال کرے اگر حذیفہ اُس کی میت میں شریک ہوں تو حضرت عمر بھی جاتے تھے۔ اور اگر حذیفہ نہ شریک ہوں تو حضرت عمر سمجھ لیتے تھے کہ وہ منافقین میں سے ہے۔(۱) حضرت عمر کو اس کے متعلق بڑی فکر تھی اور اکثر آپ سے اپنے متعلق دریافت کرتے تھے کہ میں تو منافقین میں سے نہیں ہوں۔ نیز دوسرے صحابہ بھی آپ سے دریافت کیا کرتے تھے لیکن آپ کا طریقہ یہ تھا کہ کسی کا نام لے کر نہیں بتاتے تھے تعداد کہدیتے تھے کہ اب اتنے منافقین زندہ موجود ہیں۔(۲)

ابوعبید نے کتاب القراءۃ میں جو فہرست "حفاظ صحابہؓ" کی لکھی ہے، اُس میں مہاجرین میں سے حذیفہ کا بھی نام درج کیا ہے۔(۳)

---

(۱) استیعاب برحاشیۂ اصابہ۔ ج ۱ ص۲۷۷ (۲) شرح احیاء العلوم ج ۱ ص۲۰۔

(۳) اتقان سیوطی مطبوعہ دہلی ص۱۰۳۔

اجتمعا نفترقوا بينهما فانتما	بخدا یہ وجہ نہیں تھی - اور میں کبھی ایسا نہ کرتا
لا مجتمعان على خير ابدا او	کہ تم دونوں آدمیوں کے درمیان میں پھوٹ ڈالتا
انا انما كان عن اجتماعكما -	لیکن ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ ہم رسالتمآب

کے ساتھ کہیں جا رہے تھے حضرت نے تم دونوں آدمیوں کو دیکھا کہ تم باتیں کرتے ہوئے جا رہے ہو حضرت ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا جب تم لوگ ان دونوں کو دیکھو کہ یہ مجتمع ہوئے ہیں تو انھیں متفرق کر دو اس لیے کہ یہ کبھی خیر پر مجتمع نہیں ہوں گے۔ دیکھو میں تم دونوں آدمیوں کو اس اجتماع سے منع کرتا ہوں"

حافظ ابن حجر اصابہ میں لکھتے ہیں۔

او رد ابن عساكر في ترجمته	ابن عساکر نے ان کے حالات میں انکے
اخبارا له مع معاوية تدل	بعض واقعات معاویہ کے ساتھ ایسے
على انه عاش بعد ولاية	لکھے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ یہ معاویہ
معاوية الخلافة وبذلك	کے خلیفہ ہونے کے زمانہ تک زندہ رہے ہیں
جزم الهيثم بن عدي و	اور ہیثم بن عدی نے اسے یقینی طور سے
قيل انه عاش الى سنة	ثابت کیا ہے اور بعض نے تو کہا ہے کہ
خمس واربعين	یہ ۴۵ھ تک زندہ تھے۔

لیکن استیعاب میں یہ ہے کہ عبادہ نے ۳۴ھ میں بمقام "رملہ" او بقولے "بیت المقدس" میں انتقال کیا۔ آپ کی عمر اسوقت ۷۲ سال کی تھی۔

صلی اللہ علیہ وسلم ان ولوا علیاً فہا دیا مھدیا" رسالتمآبؐ نے فرمایا کہ اگر یہ لوگ علیؑ کی حکومت تسلیم کریں تو وہ صحیح رہنمائی کرنے والے ثابت ہوں"

ان کی وفات ۳۶ھ میں امیرالمومنینؑ کے ظاہری طور سے تخت خلافت پر متمکن ہونے کے ۴۰ روز بعد واقع ہوئی ہے۔

(۵)

محمدؐ بن ابی حذیفہ

صحابی اور صحابی زادہ تھے۔ ان کے والد ابو حذیفہ بن عتبہ قرشی بڑے پرانے صحابیوں میں سے تھے اور یہ خود جناب رسالتمآبؐ کے زمانہ میں بین حبشہ میں متولد ہوئے تھے۔ واقدی نے ان کا تذکرہ کیا ہے ایسے صحابہ کی فہرست میں جن کی کنیت ابوالقاسم اور نام محمد تھا۔

ابو حذیفہ جنگ یمامہ میں قتل ہوئے حضرت عثمان نے اُن کے بیٹے محمد کو اپنی تربیت میں لے لیا اور اولاد کی طرح پرورش کی۔ مگر محمد بن ابی حذیفہ نے بڑے ہو کر حضرت عثمان سے جدائی اختیار کی، اور آپ کے خلیفہ ہونے کے بعد آپ کی اجازت سے مصر چلے گئے اور وہاں آپ کے مقابلہ میں علم مخالفت بلند کیا۔

بحرالعلوم سید مہدی طباطبائی طاب ثراہ نے کتاب "فوائد رجالیہ" میں لکھا ہے:

یستفاد من بعض الاخبار	بعض احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کو
ان له درجة العلم بالكتاب	علم الکتاب (قرآن کے علم) کا درجہ بھی حاصل
ایضاً وقد روی ان حذیفة	تھا۔ اور روایت میں ہے کہ حذیفہ کہا کرتے
کان یقول اتقوا الله یامعشر	تھے۔ اے حافظان قرآن خدا کا خوف کرو
القراء وخذوا طریق من	اور اپنے پیشروؤں کا راستہ اختیار کرو۔
کان قبلکم فوالله لئن استقمتم	خدا کی قسم اگر تم سیدھے راستہ پر قائم رہو
لقد سبقتم سبقاً بعیداً	تو بڑی کامیابی ہے۔ اور اگر تم ادھر ادھر
ولئن ترکتموه یمیناً و شمالاً	مڑ گئے تو بہت بڑی گمراہی میں مبتلا
لقد ضللتم ضلالاً بعیداً۔	ہو گے۔

ان کے تشیع کے متعلق ہمارے علماء کے تصریحات اور ائمہ معصومین کے روایات کثرت سے ہیں۔

براء بن عازب کی روایت میں جو واقعات سقیفہ پر مشتمل ہے اُن لوگوں میں جو بیعت حضرت ابوبکر سے ناراض تھے اور چاہتے تھے کہ پھر از سر نو اس مسئلہ پر غور کیا جائے حذیفہ کا نام بھی موجود ہے[1]

استیعاب[2] میں ان کی روایت درج کی ہے کہ قال قال رسول اللہ

(۱) ملاحظہ ہو ہماری کتاب "حالات مقداد بن الاسود" (ص ۵) ج ۲ مطبوعہ حیدر آباد دکن ۱۳۷۸ھ۔

رجب سنة خمس وثلثين و
استناب عقبة بن عامر وفي
نسخة ابن مالك فوثب محمد
بن ابي حذيفة على عقبة
فاخرجه من مصر وذلك
في شوال منها ودعا الى خلع
عثمان واسعر البلاد وحرض
الناس على عثمان ـــ ثم
جمع ابن ابي حذيفة القوم
الذين ثاروا على عثمان و
حاصروه الى ان كان من
قتله ما كان۔

اور عقبہ ابن عامر یا ابن مالک کو اپنا
قائم مقام بنا گیا۔ محمد بن ابی حذیفہ نے عقبہ
پر یورش کردی اور اُسے مصر سے نکالدیا۔
یہ شوال ۳۵ھ کا واقعہ ہے اور لوگوں کو
حضرت عثمان کے تخت سے اُتار دینے کی
دعوت دی اور تمام ملک میں آگ لگا دی
اور لوگوں کو حضرت عثمان کے خلاف
آمادہ کردیا ـــ پھر محمد ابن ابی حذیفہ
نے وہ فوج جمع کی جس نے حضرت
عثمان کا محاصرہ کیا۔ اور آخر میں انھیں
قتل کر ڈالا۔

وہ لوگ جو حضرت عثمان (جامع قرآن) سے اختلاف کو حافظ قرآن نہ ہوسکنے کا سبب قرار دیتے ہیں انھیں یہ واقعات غور سے دیکھنا چاہئیں۔

کیا اس امر میں کوئی شبہ ہوسکتا ہے کہ محمد بن ابی حذیفہ جامع قرآن حضرت عثمان کے سخت دشمن تھے اور اُن کے قتل کے ذمہ دار۔ لیکن اسکے ساتھ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں۔

استیعاب[1] میں ہے: "کان محمد بن ابی حذیفۃ اشد الناس تألیبا علی عثمان۔"

"محمد بن ابی حذیفہ سب سے زیادہ حضرت عثمان کے خلاف لوگوں کو آمادہ کرتے تھے۔"

پھر لکھتے ہیں۔ لما قاموا علی عثمان کان محمد بن ابی حذیفۃ احد من اعان علیہ واالب وحرض اھل مصر۔

"جب حضرت عثمان کے خلاف لوگ کھڑے ہوئے ہیں تو محمد بن ابی حذیفہ بھی اُن لوگوں میں سے تھے جو آپ کے خلاف لشکر جمع کرتے اور اہل مصر کو آمادہ کرتے تھے۔"

اصابہ[2] میں ہے۔

ذکر ابو عمر الکندی فی امراء مصر ان عبد اللہ بن سعد امیر مصر لعثمان کان توجہ الی عثمان لما قام الناس علیہ فطلب امراء الامصار فتوجہ الیہ وذلک فی	ابو عمر کندی نے امراء مصر کے حالات میں لکھا ہے کہ جب لوگ حضرت عثمان کی مخالفت میں کھڑے ہوئے اور شورش برپا کی تو انھوں نے تمام حکام کو جو مختلف اطراف میں تھے بلا بھیجا، مصر کا حاکم عبد اللہ بن سعد بھی اُن کے پاس گیا۔

(۱) بر حاشیہ اصابہ ج ۳ ص ۳۲۱، ۳۲۲۔ (۲) ج ۳ ص ۳۷۳

سے مفتخر تھے۔

اصابہ میں ہے۔

ذکر خلیفۃ بن خیاط فی تاریخہ ان علیا لما ولی الخلافۃ اقر محمد بن ابی حذیفۃ علی امرۃ مصر

خلیفہ بن خیاط نے لکھا ہے کہ جب حضرت علیؑ خلیفہ ہوئے تو آپ نے محمد بن ابی حذیفہ کو مصر کی حکومت پر باقی رکھا۔

سنہ ۳۶ھ میں معاویہ کے کسی ہوا خواہ نے ان کو قتل کر ڈالا۔

(۶)

علقمہ بن قیس

امیر المومنینؑ کے مخصوص اصحاب میں سے تھے۔ ذہبی نے طبقات القراء میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔ لکھا ہے۔ قد قرأ علی ابیّ جماعۃ من الصحابۃ "ابی بن کعب سے بہت سے صحابہ نے قرآن حفظ کیا" (ان صحابہ کے نام لکھنے کے بعد) واخذ عنہم خلق من التابعین "ان صحابیوں سے پھر بہت سے تابعین نے قرآن کی تعلیم حاصل کی"۔۔۔ فمن کان بالکوفۃ علقمۃ۔ "ان لوگوں میں سے جو کوفہ میں رہتے تھے علقمہ ہیں" (۱)

رجال کشی میں ہے (۲)۔

(۱) اتقان مطبوعہ دہلی صفحہ ۱۰۴ (۲) مطبوعہ بمبئی صفحہ ۶۶

اخرج یعقوب بن سفیان
فی تاریخہ من طریق ابن
المبارک عن حرملۃ بن عمران
عن عبد العزیز بن عبد اللہ
التسلیمی حدثنی ابی قال
کنت مع عقبۃ بن عامر
قریبا من المنبر فخرج ابن ابی
حذیفۃ فخطب الناس ثم
قرأ علیھم سورۃ وکان قارئا
فقال عقبۃ صدق رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
لیقرأن القرآن اناس لا یجاوز
تراقیھم فسمعہ ابن ابی
حذیفۃ فقال ان کنت
صادقا انک لمنھم
(اصابہ ج ۳ ص ۳۷۳)

یعقوب بن سفیان نے اپنی تاریخ
میں لکھا ہے عبد اللہ بن سلیمی کا
بیان کہ میں عقبہ بن عامر کے ساتھ
منبر کے قریب تھا کہ ایک مرتبہ ابن
ابی حذیفہ آئے اور انھوں نے
لوگوں کے سامنے تقریر کی اور آخر
میں ایک سورہ کی تلاوت کی اور
وہ حافظ قرآن تھے۔ عقبہ نے
(زیر منبر) کہا سچ فرمایا ہے رسالتمآبؐ
نے کہ قرآن کو حفظ کریں گے ایسے
لوگ جن کے گلوں کے آگے وہ قرآن
نہ پڑھتا ہوگا۔ ابن ابی حذیفہ نے
سن لیا۔ کہا اگر تو سچ کہتا ہے تو تو بھی
ان لوگوں میں سے ہے جنکا رسالتمآبؐ
نے ذکر کیا ہے)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ محمد بن ابی حذیفہ حفظ قرآن کے شرف

رسالتمآب کے ہمراہ رکاب تھے جب جناب رسالتمآب مدینہ میں تشریف لائے ہیں تو حضرت کا ناقہ جس گھر کے سامنے خود سے بیٹھ گیا تھا، اور حضرت نے وہاں نزول اجلال فرمایا تھا، وہ ابوایوب ہی کا گھر تھا۔ اس پر ابوایوب جتنا بھی ناز کرتے بجا تھا۔

دمیری نے حیوٰۃ الحیوان میں جن لوگوں کا تذکرہ کیا ہے کہ وہ رسالتمآب کے سامنے حفظ قرآن کر چکے تھے ان میں ابوایوب انصاری کا بھی نام ہے۔

محمد بن کعب قرظی کی روایت میں بھی جو بتاتی ہے کہ رسالتمآب کے زمانہ میں پانچ آدمیوں نے حفظ قرآن کیا تھا، ابوایوب کا نام موجود ہے۔(۱)

مولوی عبدالسلام ندوی اسوۂ صحابہ کے حصہ اول ص ۱۲۶ میں تحریر کرتے ہیں۔

"قرآن مجید کی متفرق سورتیں اگرچہ تقریباً تمام صحابہ کو یاد تھیں لیکن ان میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت ابوایوبؓ، حضرت عبادہ بن الصامتؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت ابوزیدؓ، حضرت سالمؓ، حضرت ابوالدرداءؓ نے خود رسول اللہ صلعم کی زندگی میں پورا قرآن حفظ کر لیا تھا۔"

ان کے تشیع کے متعلق ارباب تاریخ کا اتفاق ہے۔

وہ بارہ آدمی جنھوں نے اعلان حق کی آواز بلند کی تھی اور پہلی خلافت پر اعتراض کیا تھا ان میں ابوایوب انصاری بھی ایک نمایاں حصہ رکھتے تھے۔

(۱) اسد الغابہ۔ ج ۳ ص ۱۰۶۔ اتقان مطبوعہ دہلی ص ۱۰۳

روی یحیی الحمانی قال حدثنا شریک عن منصور قال قلت لابراھیم اشھد علقمۃ صفین قال نعم وخضب سیفہ دماً	ابراہیم سے دریافت کیا گیا کہ کیا علقمہ صفین میں شریک ہوئے تھے۔ انھوں نے کہا ہاں اور اُن کی تلوار خون سے رنگین ہو گئی تھی۔

اس کے بعد لکھا ہے۔

وکان علقمۃ فقیھاً فی دینہ قاریاً لکتاب اللہ عالماً بالفرائض شھد صفین واصیبت احدیٰ رجلیہ فعرج منھا۔	علقمہ مسائل مذہبی میں فقیہ کا درجہ رکھتے تھے اور قرآن مجید کے حافظ تھے اور علم میراث کے عالم تھے۔ جنگ صفین میں شریک ہوئے تھے اور ان کا ایک پاؤں بھی اُس دن کٹ گیا تھا جسکی وجہ سے بہت خوش ہوئے تھے۔

رجال شیخ طوسی اور خلاصۃ الرجال علامہ حلیؒ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اسی جنگ صفین میں شہید بھی ہوئے ہیں۔

(۷)

ابو ایوب انصاری

اصلی نام خالد بن زید ہے۔ بدر و اُحد اور خندق نیز دیگر لڑائیوں میں جناب

استیعاب[1] میں ہے۔

قال ابن الکلبی وابن اسحٰق شھد ابو ایوب مع علی رضی اللہ عنہ الجمل وصفین وکان علی مقدمتہ یوم النھروان۔

ابن ہشام اور ابن اسحق دونوں مورخوں کا بیان ہے کہ ابوایوب حضرت علیؑ کیساتھ جمل اور صفین کی لڑائیوں میں شریک ہوئے تھے اور نہروان کے دن تو آپ مقدمۃ الجیش (ہراول لشکر) بنائے گئے تھے۔

دوسرے مقام پر لکھا ہے

کان ابو ایوب الانصاری مع علی رضی اللہ عنہ فی حروبہ کلھا۔

ابوایوب انصاری حضرت علیؑ کے ساتھ تھے۔ آپ کی تمام لڑائیوں میں۔

جن روایات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ جمل وصفین میں شریک نہ ہوئے تھے اُن میں بھی یہ وجہ لکھی ہے کہ حضرت علیؑ جب کوفہ جانے لگے ہیں تو آپ نے خود ابوایوب کو بطور اپنے قائم مقام کے مدینہ میں چھوڑ دیا تھا۔ اس لیے یہ مدینہ میں رہ گئے اور جمل وصفین میں شریک نہ ہو سکے لیکن اس کے بعد آپ جنگ نہروان کے پہلے ہی امیرالمومنین کی خدمت میں شرفیاب ہو گئے اور جنگ نہروان میں پرجوش طریقہ پر شریک ہوئے[2]۔

(۱) مطبوعہ مصر بر حاشیہ اصابہ ج ۴ ص ۱۱ (۲) اصابہ ج ۱ ص ۔

ان کی تقریر اُس دن کی یادگار اور پُر جوش حسب ذیل تھی۔

اتّقوا اللہ عباد اللہ فی اھل بیت نبیّکم وردّوا الیھم حقھم الذی جعل اللہ لھم فقد سمعتم مثل ما سمع اخواننا فی مقام بعد مقام لنبیّنا ومجلس بعد مجلس یقول اھل بیتی ائمتکم بعدی ویومی الی علیؑ ویقول ھذا امیر المؤمنین وقاتل الکفرۃ مخذول من خذلہ منصور من نصرہ فتوبوا الی اللہ من ظلمکم ان اللہ توّاب رحیم ولا تتولوا عنہ مدبرین ولا تتولّوا عنہ معرضین۔

خدا سے ڈرو اے خدا کے بندو اپنے نبی کے اہلبیت کے بارے میں اور واپس کردو اُن کی طرف اُن کے حق کو جو خدا نے ان کے لیے قرار دیا ہے کیونکہ یقیناً تم نے بھی سُنا ہے وہ سب کچھ جو ہم لوگوں نے سُنا ہے مختلف مقامات پر اور بار بار رسالتمآبؐ سے کہ حضرت فرماتے تھے میرے اہلبیت میرے بعد تمہارے امام ہیں اور اکثر آپ علی بن ابیطالبؑ کی طرف اشارہ فرماتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ امیرمومنین اور قاتل کافرین ہیں۔ خدا کی نصرت سے محروم ہے وہ جو انھیں چھوڑ دے اور خدا کی نصرت سے مخصوص ہے وہ جو انکی نصرت کرے لہذا تم سب لوگ توبہ کرو اپنے ظلم سے۔ خدا توبہ قبول کرنے والا ہے اور تم اعراض و روگردانی کرتے ہوئے حق کے راستہ سے منحرف نہ ہو۔

کشی[1] کی روایت سے جو حسب ذیل ہے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حافظ قرآن تھے

عن حمزة بن ميثم قال خرج
ابي الى العمرة فحدثني قال
استأذنت على ام سلمة فضربت
بيني وبينها خدرا فقالت
لي انت ميثم فقلت انا ميثم
فقالت كثيرا ما رأيت الحسين
بن علي يذكرك قلت فاين
هو قالت خرج في غنم له آنفا
قلت انا والله اكثر ذكره فاقرأه
السلام فاني مبادر فقلت
يا جارية اخرجي فادهنيه
فخرجت فدهنت لحيتي ببان
فقلت انا والله لئن دهنتها
لتخضبن فيكم بالدماء فخرجنا
فاذا ابن عباس جالس

حمزہ بن میثم کی روایت ہے کہ میرے
والد عمرہ کی غرض سے مکہ معظمہ گئے تھے۔
انھوں نے (واپس آکر) مجھ سے (واقعات
سفر ذیل میں) بیان کیا کہ میں حضرت
ام سلمہؓ کے یہاں گیا۔ انھوں نے پردہ
ڈال کر مجھے بلا لیا اور کہا تم میثم ہو؟ میں نے
کہا جی ہاں میں میثم ہوں۔ انھوں نے
فرمایا کہ حسین بن علیؑ اکثر تمھارا ذکر کیا
کرتے ہیں۔ میں نے کہا اچھا تو اس وقت
وہ کہاں ہیں۔ فرمایا اپنے کچھ گوسفندوں
کی فکر میں ابھی گئے ہیں۔ میں نے کہا میں بھی
حضرت کو بہت یاد کرتا رہتا تھا۔ اچھا!
آپ میرا سلام عرض کر دیجیے گا مجھے جلدی
ہے اسلیے ٹھہر نہیں سکتا۔ حضرت ام سلمہؓ
نے اپنی ایک کنیز سے فرمایا کہ جا میثم کے

(۱) رجال کشی مطبوعہ بمبئی ص ۵۳ ، ۵ ۔

کفار کے ساتھ جنگ کرنے کا آپ کو خاص شوق تھا۔ یہاں تک کہ اس سلسلہ میں یزید بن معاویہ کی سلیہ لاری میں جنگ کرنے تک سے آپ نے گریز نہیں کیا۔ آپ کا اجتہادی خیال یہ تھا کہ کفار سے جہاد میں اگرچہ فاسق و فاجر اشخاص کی ماتحتی میں ہو سچی نیت سے شریک ہونا مذہب کی نصرت ہے اسلیے روم کی جنگ میں جو معاویہ کے حکم سے یزید کی ماتحتی میں افواج روانہ کی گئی تھیں اُن میں ابو ایوب انصاری بھی موجود تھے اور وہیں قسطنطنیہ میں ۵۲ھ میں انتقال کیا۔

(۸)

میثم تمّار

حافظ ابن حجر نے ان کا پورا نام میثم بن یحییٰ تمّار اسدی لکھا ہے اور شیخ عبید طاب ثراہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ میثم تمار قبیلہ بنی اسد کی ایک عورت کے غلام تھے حضرت امیرؑ نے اُن کو خرید لیا اور آزاد کر دیا حضرت نے اُن سے دریافت کیا، تمھارا نام کیا ہے، انھوں نے کہا سالم۔ حضرت نے فرمایا مجھے رسالتمآبؐ نے بتلایا ہے کہ تمھارا اصلی نام "میثم" ہے۔ میثم نے عرض کی "بے شک میرا اصلی نام میثم ہی تھا"! حضرت نے فرمایا تو پھر تم وہی نام رکھو جو تمھارا نام رسالتمآبؐ نے رکھا ہے (۱)

(۱) اصابہ۔ ج ۳ صفحہ ۵۰۴۔

قال انی لشاھد مثیماً حین	کے حکم سے باہر لایا گیا اور اُن کے دونوں
اخرجه ابن زیاد فقطع یدیه	ہاتھ دونوں پاؤں قطع کر ڈالے گئے۔ میثم نے
ورجلیه فقال سلونی	لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا۔ مجھ سے جو کچھ
احدثکم فان خلیلی اخبرنی	پوچھنا ہو ابھی پوچھ لو اس لیے کہ مجھ کو
انه سیقطع لسانی فما کان	میرے دوست نے خبر دی ہے کہ ابن زیاد
الا وشیکا حتی خرج شرطی	میری زبان بھی قطع کر ڈالے گا۔ ابھی تھوڑی دیر
فقطع لسانه۔	نہ گزری تھی کہ ایک سپاہی آیا اور اُس نے

زبان بھی میثم کی قطع کر دی۔

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں ان قوله فی هذه الروایة خلیلی یرید علیّ بن ابیطالبؑ۔

"اس روایت میں جو "میرے دوست" کا لفظ ہے اس سے مراد علی بن ابیطالب ہیں۔"(۱)

(۹)

بُریر بن خضیر ہمدانی

تعارف سے مستغنی اور تعریف سے بے نیاز شہدائے کربلا کی ایک

(۱) اصابہ، ج ۳ ص ۴۶۹۔

فقلت یا ابن عباس سلنی ما شئت من تفسیر القرآن فانی قرأت تنزیلہ علی امیر المومنینؑ وعلمنی تأویلہ

خوشبو لگا دے۔ وہ باہر آئی اور مجھے خوشبو دار تیل دیا جسکو میں نے اپنی ڈاڑھی میں لگا لیا اور کہا کہ اس وقت اس ڈاڑھی کو میں تیل سے خوشبو دار کر رہا ہوں اور عنقریب یہ آپ (اہلبیت رسولؐ) کی محبت میں خون سے رنگین ہو گی پھر میں وہاں سے باہر نکلا تو ابن عباس بیٹھے ہوئے مل گئے۔ میں نے کہا اے ابن عباس مجھ سے جو کچھ چاہو تفسیر قرآن کے متعلق دریافت کر لو۔ اس لیے کہ میں نے اس کی تنزیل کو امیر المومنینؑ سے حفظ کیا ہے اور تاویل بھی حضرت نے خود مجھے تعلیم فرمائی ہے۔"

میثم کو عبد اللہ بن زیاد نے اس زمانہ میں قتل کیا ہے۔ جب وہ حضرت مسلم بن عقیل کے ورود کوفہ کے بعد بصرہ سے کوفہ کا حاکم مقرر ہو کر آیا ہے۔

اصابہ[۱] میں ہے کان ذلک قبل مقدم الحسین العراق بعشرۃ ایام

"یہ امام حسینؑ کے عراق پہنچنے سے دس دن قبل کا ذکر ہے۔"

اس کے معنی یہ ہیں کہ میثم ذی الحجہ ۶۰ھ میں درجۂ شہادت پر فائز ہوئے تھے۔

حافظ ابن مندہ کی روایت ہے۔

من طریق الحرث بن حصیرۃ حدثنی محمد بن حمید الازدی

محمد بن حمید ازدی کا بیان ہے کہ میں اس موقع پر موجود تھا جب میثم کو ابن زیاد

---

(۱) ج ۳ ص ۵۰۵

بنی عمیرة بن ربیعة وهو
حلیف لبنی سلیمة من
عبد القیس فقال یا بریر
بن حضیر کیف تری الله
صنع بك قال صنع الله
والله بی خیرا وصنع الله
بك شرا قال کذبت وقبل
الیوم ما کنت کذابا هل
تذکر وانا اما شیك فی
بنی لوذان وانت تقول
ان عثمان بن عفان کان
علی نفسه مسرفا وان
معاویة بن ابی سفیان
ضال مضل وان امام الهدی
والحق علی بن ابی طالب
فقال له بریر اشهد ان هذا
رایی وقولی فقال له یزید

باہر نکلا ۔ اور بریر کو پکار کر کہا کہ
دیکھتے ہو خدا نے تم سے کیا سلوک کیا؟
بریر نے کہا خدا نے میرے ساتھ تو اچھا
ہی سلوک کیا۔ ہاں بے شک تیرے
ساتھ برا سلوک کیا۔ اس نے کہا تم
جھوٹ کہتے ہو حالانکہ آج کے قبل ہمیشہ
تم سچ ہی بولا کیے۔ اچھا تمھیں یاد ہے
کہ ایک دفعہ ہم اور تم بنی لوذان کے
قبیلہ میں ایک ساتھ جا رہے تھے۔
اور تم کہہ رہے تھے کہ عثمان بن
عفان اپنے نفس پر ظلم کرنیوالے
تھے اور معاویہ گمراہ اور گمراہ کنندہ
ہے اور سچے امام و رہنما علی بن
ابیطالب ہیں۔ بریر نے کہا بیشک
میں گواہی دیتا ہوں کہ یہی میری
رائے اور میرا قول ہے۔ یزید
بن معقل نے کہا اچھا تو میں گواہی

ممتاز فرد اور سید الشہداء حسین بن علیؑ کے جانباز ساتھی تھے۔

"ابصار العین فی انصار الحسین"(۱) میں ہے۔

کان بریر شیخا تابعیا ناسکا	بریر سن رسیدہ تابعی عبادت گذار
قارئا للقرآن من شیوخ القراء	حافظ قرآن، بڑے حفاظ اور اساتذہ
ومن اصحاب امیر المؤمنین	میں داخل، اور امیر المؤمنینؑ کے
علیہ السلام وکان من	اصحاب میں محسوب تھے۔ کوفہ کے
اشراف اھل الکوفۃ من	رہنے والے ہمدانی قبیلہ کے اشراف
الھمدانیین وھو خال	میں سے تھے، اور ابو اسحٰق ہمدانی
ابی اسحٰق الھمدانی السبیعی۔	سبیعی(۲) کے ماموں تھے۔

رجال کشی(۳) میں ہے۔ بریر بن خضیر الھمدانی وکان یقال لہ سید القراء۔

"ان کا خطاب سید القراء (حفاظ کے سردار) تھا۔"

حافظ محمد بن جریر طبری کربلا کے واقعہ اور روز عاشور کے حالات میں لکھتے ہیں۔

خرج یزید بن معقل من	یزید بن معقل ۔۔۔ فوج عمر سعد سے

(۱) مطبوعہ نجف اشرف (عراق) ص۷ (۲) ان کا تذکرہ اسی کتاب میں بسلسلۂ حفاظ آئے گا۔ (۳) مطبوعہ بمبئی ص۷۹

معلوم ہوتا تھا پہاڑ سے نیچے آگیا۔"

مباہلہ ختم ہوگیا اور حق و باطل کا فیصلہ ہو چکا۔ اس کے بعد رضی بن منقذ عبدی نے حملہ کیا، اور بریر سے ہاتھا پائی میں مصروف ہوگیا جس کے نتیجہ میں بریر اس کے سینہ پر سوار نظر آئے۔ اس نے پکار کر کہا "کہاں ہیں بہادران جنگ، کہاں ہیں میرے مددگار؟" جس کو سنکر کعب بن جابر بن عمرو ازدی نے بریر پر حملہ کیا۔ راوی خبر عفیف بن زہیر بن ابی الاخنس کا بیان ہے کہ میں نے کہا ان ھذا بریر بن خضیر القاری الذی

کان یقرأنا القرآن فی المسجد۔(۱)

"یہ تو بریر بن خضیر حافظ قرآن ہیں جو ہمکو قرآن مسجد میں حفظ کرایا کرتے تھے"

کعب نے بریر پر حملہ کیا اور قتل کر ڈالا۔ جب وہ واقعہ کربلا کے بعد کوفہ واپس ہوا اور اپنے گھر گیا تو اس کی بیوی یا بہن نوار بنت جابر نے کہا۔

اعنت علی ابن فاطمة وقتلت سید القراء لقد اتیت

عظیما من الامر واللہ لا اکلمک من راسی کلمة ابدا۔

"تو نے فاطمہ زہرا کے فرزند کے خلاف جنگ کی اور "سید الحفاظ" کو قتل کیا۔ تو نے بڑا غضب ڈھایا۔ میں خدا کی قسم تجھ سے عمر بھر بات نہیں کرونگی"(۱)

یہ واقعہ ۱۰ محرم ۶۱ھ کا ہے جس دن حسین بن علیؑ اپنے بہتر اصحاب

(۱) تاریخ طبری مطبوعہ مصر ج ۶ ص ۲۴۷

بن معقل فانی اشهد انک
من الضالین فقال له بریر
بن خضیر هل لک ان
اباهلک ولندع الله ان
یلعن الکاذب وان یقتل
المبطل ثم اخرج فلابارزک
قال فخرجا فرفعا ایدیهما
الی الله یدعوانه ان یلعن
الکاذب وان یقتل المحقّ
المبطل ثم برز کلّ واحد منهما
لصاحبه فاختلفا ضربتین
فضرب یزید بن معقل بریر
بن خضیر ضربة خفیفة
لم تضرّه شیئا وضربه بریر
بن خضیر ضربة قدّت المغفر
وبلغت الدماغ فخرّ کانما
هوی من حالق۔

دیتا ہوں کہ تم گمراہ ہو بریر نے کہا کیا
تم اس پر تیار ہو کہ میں تمہارے ساتھ
مباہلہ کروں اور ہم دونوں آدمی خدا
سے دعا کریں کہ جو جھوٹا ہو اس پر وہ
لعنت کرے اور باطل پر ہونے والے
کو قتل کرائے اسکے بعد میں تم سے
جنگ کروں (یزید اس پر تیار ہو گیا)
دونوں آدمی میدان میں آگئے۔ پہلے
ہاتھ اٹھا کر خدا سے دعا کی کہ وہ جھوٹے
پر لعنت کرے اور جو حق پر ہو اسکے
ہاتھ سے باطل پرست کو قتل کرائے
اسکے بعد جنگ شروع کی۔ دو ضربوں
کی آمد و رفت ہوئی یزید نے تلوار لگائی
جو بریر پر اچھی پڑی اور کوئی نقصان
نہ پہنچا سکی اسکے بعد بریر نے ضرب
لگائی جو مغفر کو کاٹتی ہوئی دماغ
میں اتر گئی اور وہ اس طرح گرا کہ

من بعدهم وما الله يريد
ظلما للعباد يا قوم اني اخاف
عليكم يوم التناد يوم تولون
مدبرين ما لكم من الله من
عاصم ومن يضلل الله فما له
من هاد يا قوم لا تقتلوا
حسينا فيسحتكم الله بعذاب
وقد خاب من افترى۔

اور ثمود اور اُن کے بعد والوں کا انجام
ہوا اور خدا بندوں پر ظلم نہیں کرنا
چاہتا (بلکہ جو کچھ ہوتا ہے اُن کے کرتوتوں
کا نتیجہ ہے) اے میری قوم مجھے تمہارے
متعلق اندیشہ ہے قیامت کے دن کا
جس دن تم پشت پھرائے ہوئے ہوگے۔
(اس دنیا سے) اور تمہارا کوئی بچانے والا
خدا کے عذاب سے نہ ہوگا۔ اور جس کی ہدایت
سے خدا ہاتھ اُٹھالے اُس کی کوئی ہدایت کرنے والا نہیں ہے۔ اے قوم حسین کو
قتل نہ کرو نہیں تو خدا تم پر عذاب نازل کرے گا اور جھوٹ کہنے والے کا انجام ناکامی ہے۔"

امام حسین نے فرمایا "اے ابن سعد یہ لوگ عذاب کے مستحق تو اسی وقت
ہو گئے جب اُنھوں نے شروع میں حق کو قبول نہ کیا اور تم لوگوں پر فوج کشی
کی، اب کیا ہے؟ اب تو یہ تمہارے بہت سے نیک ساتھیوں کو قتل
بھی کر چکے ہیں۔"

حنظلہ نے عرض کیا "صدقت، جعلت فداک افلا نروح الی
ربنا ونلحق باخواننا۔"

(۱) ص۲۲ مطبوعہ نجف

اقربا کے ساتھ کربلا کی زمین پر شہید ہوئے تھے۔

(۱۰)

حنظلہ بن اسعد شبامی

شبام قبیلۂ ہمدان کی ایک شاخ تھی جس کی طرف ان کی نسبت ہے۔ یہ بھی شہدائے کربلا اور انصار حضرت سید الشہداء کے ایک فرد تھے ابصار العین فی انصار الحسین (۱) میں ہے۔

کان حنظلۃ بن اسعد الشبامی	حنظلہ بن اسعد شبامی شیعوں کی ایک
وجہا من وجوہ الشیعۃ۔	نمایاں فرد، خوش تقریر اور فصیح البیان
ذا لسن وفصاحۃ شجاعا قارئا	بہادر اور حافظ قرآن تھے۔

ان کا قیام کوفہ میں تھا۔ کربلا میں امام حسینؑ کے ساتھ آکر شریک ہوئے۔ گفتگوئے صلح کے دوران میں اکثر انہی کو عمر بن سعد کے پاس نامہ و پیام کے ساتھ بھیجا گیا ہے۔ روز عاشور امام کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور اذن طلب کیا پھر آگے بڑھے اور پکار پکار کر کہنے لگے

یا قوم انی اخاف علیکم مثل	اے میری قوم کے لوگو مجھے تمہارے
یوم الاحزاب مثل داب	متعلق خوف ہے اُس دن کا جو بہت سی
قوم نوح وعاد وثمود والذین	قوموں کو نصیب ہوا جو قوم نوح اور عاد

(۱) ص [illegible] مطبوعہ نجف

خزیمہ بن ثابت۔ عبداللہ بن ثابت انصاری۔ حبشی بن قتادہ سلولی۔ عبید بن عازب انصاری۔ نعمان بن عجلان انصاری۔ ثابت بن ودیعہ انصاری۔ ابو فضالہ انصاری۔ عبدالرحمٰن بن عبدرب انصاری۔

ان سب نے متفقہ الفاظ میں کہا تھا۔

نشھد انّا سمعنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یقول الا انّ اللہ عزّوجلّ ولیّی وانا ولیّ المومنین الا فمن کنت مولاہ فعلی مولاہ اللّھم وال من والاہ وعاد من عاداہ واحبّ من احبہ وابغض من ابغضہ واعن من اعانہ۔

"ہم سب گواہی دیتے ہیں کہ ہم نے رسالتمآبؐ کو فرماتے ہوئے سنا کہ خدا میرا حاکم ہے اور میں مومنین کا حاکم تو جس شخص کا مولیٰ میں ہوں اُسکے مولا علیؑ بھی ہیں۔ خداؑیا تو دوست رکھ اُس کو جو علیؑ کو دوست رکھے اور دشمن رکھ اُس کو جو علیؑ کو دشمن رکھے۔ مدد کر اُسکی جو علیؑ کی مدد کرے"(۱)۔

"ابصار العین فی انصار الحسین"(۲) میں ہے۔

کان علیّ بن ابیطالب علیہ السّلام ھو الذی علّم عبدالرحمٰن ھذا القرآن وربّاہ۔

"علی بن ابیطالبؑ نے خود عبدالرحمٰن کی تربیت کی تھی اور ان کو

(۱) اسد الغابہ۔ ج ۳ ص ۳۰۷ (۲) ص ۹۳ مطبوعہ نجف۔

"وسیح فرمایا حضور نے میں آپ پر نثار۔ اچھا تو پھر ہم بھی نہ جائیں اپنے خدا کی طرف، اور اپنے بھائیوں سے ملحق ہوں؟

حضرتؑ نے فرمایا جاؤ دنیا و آخرت کی نیکی اور ایسی سلطنت کی طرف جس کو زوال نہیں ہے۔"

حنظلہ نے سلام رخصت کیا اور آگے بڑھے، لڑے اور شہید ہو گئے (۱)

یہ بھی ۱۰ محرم سنہ ۶۱ھ کا تذکرہ ہے۔

(۱۱)

عبدالرحمٰن بن عبد رب الانصاری

امیرالمومنینؑ کے مخلص شیعہ اور رسالتمآبؐ کی صحبت کے شرف کو حاصل کیے ہوئے تھے۔ حافظ ابن عقدہ کی روایت ہے اس موقع پر جب امیرالمومنینؑ نے رحبہ میں حدیث غدیر خم کے اوپر گواہی چاہی تھی تو جو دس بارہ آدمی کھڑے ہوئے تھے ان میں عبدالرحمٰن بن عبد رب کا بھی نام ہے۔

ابن اثیر جزری کی کتاب اسد الغابہ میں متعدد مقامات پر یہ روایت درج کی ہے ان تمام اشخاص کے اسماء جو روایت میں مذکور ہیں حسب ذیل ہیں۔

ابو ایوب انصاری، ابو عمرہ بن عمرو بن محصن۔ ابو زینب۔ سہل بن حنیف

(۱) تاریخ طبری ج ۶ صفحہ ۲۵۴

(١٣١)

نافع بن ہلال جملی (١)

یہ بھی شہدائے کربلا میں سے تھے۔ ابصار العین (٢) میں ہے۔

کان نافع سیدا شریفا سریا شجاعا وکان قارئا کاتبا من حملة الحدیث من اصحاب امیر المومنین وحضر معه حروبه الثلث فی العراق۔

نافع اپنے قبیلہ کے سردار بزرگ تھے بہادر اور حافظ قرآن انشاپرداز حامل حدیث اصحاب امیر المومنینؑ میں سے محسوب تھے۔ جمل۔ صفین۔ نہروان تینوں لڑائیوں میں امیر المومنینؑ کے ہمراہ رکاب تھے۔

روز عاشور نافع بن ہلال نے اپنے تیروں کے سوفار پر اپنا نام لکھ دیا تھا۔ تیر زہر میں بجھائے ہوئے تھے۔ اور وہ ان تیروں کو مارتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے۔

انا الجملی انا علی دین علی

وہ میں جملی (قبیلہ جمل کا آدمی) ہوں۔ میں علیؑ بن ابی طالبؑ کے دین پر ہوں

(١) نسبت ہے جمل بن سعد العشیرة ابن مذحج کی طرف۔ اور اسی لیے بنی جمل ایک شاخ کی حیثیت رکھتے تھے قبیلہ مذحج میں سے (٢) ص ٩٦

قرآن مجید کی تعلیم دی تھی"۔

عبدالرحمٰن بن عبد رب بھی شہدائے کربلا میں سے ہیں۔ امامؑ کیساتھ مکہ معظمہ سے آئے تھے اور پہلے حملہ میں جو جنگ مغلوبہ کی صورت میں تھا شہید ہوئے۔ ابن شہر آشوب نے لکھا ہے کہ ایسا نہیں ہے بلکہ تنہا جنگ کر کے شہید ہوئے ہیں۔

طبری نے بھی واقعہ کربلا کے سلسلہ میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔[1]

(۱۲)

کنانہ بن عتیق تغلبی

ابصار العین[2] میں ہے۔

کان کنانۃ من ابطال الکوفۃ وعابدا من عبادھا وقارئا من قرائھا جاء الی الحسینؑ فی الطف وقتل بین یدیہ۔	کنانہ کوفہ کے بہادروں میں سے ایک بہادر اور عبادا اور حفاظ قرآن میں سے تھے، امام حسینؑ کی خدمت میں کربلا میں حاضر ہوئے اور آپ کے سامنے شہید ہوئے۔

(۱) تاریخ طبری ج ۶ ص ۲۴۴ (۲) ص ۱۱۲

(۱۴۲)

واضح ترکی

حارث مذحجی سلمانی کے غلام تھے، جنادہ بن حارث کے ساتھ امام حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عاشور محرم کو کربلا کی زمین پر شہید ہوئے۔

ابصار العین ص۸۵ میں ہے۔

کان واضح غلاما ترکیا شجاعا قاریا۔ — واضح غلام ترکی تھے بہادر، اور حافظ قرآن۔

علامہ مجلسیؒ نے عبداللہ وعبدالرحمن غفاریین کی شہادت کے بعد لکھا ہے:

"ثم خرج غلام ترکی کان للحسین وکان قاریا للقرآن فجعل یقاتل ویرتجز ویقول البحر من طعنی وضربی یصطلی۔ والجو من سھمی ونبلی یمتلی۔ اذا حسامی فی یمینی ینجلی ینشق قلب الحاسد المبجل۔ فقتل جماعۃ ثم سقط صریعا فجاء الحسین فبکی ووضع خدہ علی خدہ ففتح عینیہ فرای الحسینؑ فتبسم ثم صار الی ربہ۔"

"پھر ایک ترکی غلام میدان میں آیا جو حافظ قرآن تھا۔ اس نے جنگ کرنا شروع کی اور وہ یہ رجز پڑھ رہا تھا "سمندر میری نیزہ بازی و

بارہ آدمی فوج عمر بن سعد میں سے قتل کیے، اور بہت سے لوگ زخمی ہوئے۔ اس کے بعد ان پر حملہ ہوا، اور اتنی جنگ ہوئی کہ ان کے بازو ٹوٹ گئے اور انھیں گرفتار کر لیا گیا۔

شمر انھیں کشاں کشاں عمر بن سعد کے پاس لے گیا۔ عمر بن سعد نے کہا، "نافع یہ تم نے کیا کیا اور اپنے تئیں کس مصیبت میں مبتلا کیا۔" نافع نے کہا یہ تو خدا جانتا ہے کہ میری نیت کیا تھی؟ بہر حال شکر ہے کہ میں نے بارہ آدمی تم میں کے قتل کیے اور جو زخمی ہوئے وہ ان کے علاوہ ہیں۔ اور اگر میرے بازوؤں میں دم اور کلائیوں میں سکت رہتی تو تم مجھے اس طرح گرفتار نہ کر سکتے۔

نافع یہ کہہ رہے تھے اور خون بہ کے اُن کی ڈاڑھی کو تر کر رہا تھا۔

عمر سعد نے شمر کو حکم دیا کہ انھیں قتل کرے۔ شمر نے تلوار کھینچی۔ نافع نے شکر خدا ادا کیا۔ کہا "اگر تو مسلمان ہوتا تو کبھی یہ گوارا نہ کرتا کہ ہمارا خون اپنے سر پر لے۔ شکر ہے خدا کا کہ ہماری موت بد ترین خلق لوگوں کے ہاتھ سے قرار دی۔" شمر نے تلوار ماردی اور نافع شہید ہو گئے۔ (۱)

(۱) طبری۔ ج ۶ ص ۲۵۳

جناب ام سلمہ کو رسالتمآبؐ کے بعد آپ کے اہلبیت یعنی علی ابن ابیطالبؑ اور حسنؑ و حسینؑ سے خاص خصوصیت رہی۔

اُس موقع پر جب ام المومنین عائشہ نے امیرالمومنین علی ابن ابیطالبؑ کے خلاف علمِ جنگ بلند کیا تھا اور آپ کے مقابلہ کے لیے بہ نفس نفیس صف آرائی پر تیار ہو رہی تھیں اور یہ خبر مدینہ میں پہونچی تو ام سلمہ کھڑی ہوئی تھیں اور انھوں نے امیرالمومنینؑ سے کہا تھا کہ

یا امیر المومنین لولا ان	اگر میرے لیے گھر سے نکلنا شرعاً ناجائز نہ ہوتا
اعصی اللہ عزّ وجلّ و	اور مجھے یقین نہ ہوتا کہ آپ اسے کبھی گوارا
انک لا تقبلہ منی لخرجت	نہ کریں گے تو میں خود آپ کے ساتھ
معک وھذا ابنی عمر واللہ	جنگ میں چلتی لیکن مجبور ہوں کہ میرا نکلنا
لھو اعزّ علیّ من نفسی یخرج	شروع نہیں۔ بہرحال یہ میرا فرزند عمر
معک فلیشھد مشاھدک	جسکو میں اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتی

ہوں۔ اسے میں آپ کے ساتھ بھیجتی ہوں اور یہ آپ کی لڑائیوں میں شریک ہوگا"

عمر بن ابی سلمہ برابر امیرالمومنینؑ کے ہمراہ رکاب تھے اور حضرت نے انھیں بحرین کا حاکم بنا دیا جس پر وہ ایک عرصہ تک قائم رہے۔[1]

حضرت ام سلمہ کے متعلق عام مؤرخین یہ لکھتے ہیں کہ اُن کا انتقال ۵۹ھ

(۱) تاریخ طبری - ج ۵ ص ۱۶۷

شمشیر زنی سے آگ کی طرح تاپنے کے لائق ہو جائے، اور فضا میرے تیروں
سے پُر ہو جائے۔ جب میری تلوار میرے ہاتھ میں چمک دکھلائے تو دل
حاسد کا شگافتہ ہو جائے۔"

اُس نے بہت سے لوگوں کو قتل کیا اور پھر گھوڑے سے زمین پر آیا۔
امامؑ لاش پر تشریف لے گئے اور گریاں ہوئے۔ رخسار اپنا غلام کے رخسارہ
پر رکھا۔ غلام نے آنکھیں کھولیں۔ امامؑ کے چہرہ پر نظر پڑی۔ دیکھکر مسکرا دیا
اور روح نے جسم سے مفارقت کی (۱)۔

(۱۵)

حضرت اُمّ المومنین۔ اُمّ سلمہ

رضوان اللہ علیہا

بڑی بلند مرتبت معظمہ اور ازواج رسالتمآبؐ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں
حضرت خدیجہ کبریٰ سلام اللہ علیہا کے بعد سب سے زیادہ پاک نہاد اور مقدسہ
بڑے درجہ کی بی بی تھیں۔

عبید نے کتاب القراءۃ میں جو حفاظ صحابہ کی فہرست درج کی ہے اُسمیں
مہاجرین میں حضرت ام سلمہ کا بھی شمار کیا ہے (۲)۔

(۱) بحار الانوار۔ ج ۱۰ ص ۱۹۹۔ (۲) اتقان سیوطی مطبوعہ دہلی ص ۱۰۳

شئت اریك المكان الذی
يقتل به فاراه فجاء بسهلة
او تراب احمر فاخذته ام سلمة
فجعلته في ثوبها قال ثابت كنا
نقول انها كربلاء واخرجه
ايضا ابو حاتم في صحيحه وروى
احمد نحوه وروى عبد بن
حميد وابن احمد نحوه ايضا
لكن فيه ان الملك جبريل
فان صح فهما واقعتان وزاد
الثاني ايضا انه صلى الله عليه
وسلم شمها وقال ريح كرب وبلاء
والسهلة بكسر اوله رمل
خشن ليس بالدقاق الناعم
وفي رواية الملا وابن احمد
في زيادة المسند قالت
ثم ناولني كفا من تراب احمر

امت اس کو قتل کرے گی۔ اگر آپ فرمائیے
تو میں وہ جگہ آپ کو دکھاؤں جہاں یہ
قتل کیا جائے گا۔ چنانچہ اُس ملک نے
ایک سرخ مٹی حضرت کی خدمت میں پیش
کی۔ وہ مٹی حضرت سے ام سلمہ نے لے لی۔
اس روایت کو ابو حاتم نے بھی اپنے صحیح
میں درج کیا ہے اور امام احمد بن حنبل
نے بھی ایسی ہی روایت نقل کی ہے نیز عبد
بن حمید اور امام احمد کے صاحبزادہ نے بھی
اسی قسم کی روایت کا تذکرہ کیا ہے لیکن
اُس میں فرشتہ کا نام جبریل بتایا ہے اگر
یہ روایت صحیح ہو تو اسکے معنی یہ ہیں کہ
یہ واقعہ دو مرتبہ پیش آیا ہے۔ امام احمد
کے صاحبزادہ نے یہ بھی زیادہ کیا ہے کہ
حضرت نے اُس مٹی کو سونگھا اور فرمایا
کرب و بلا کی بو آتی ہے۔ ملا علی متقی اور
ابن احمد کی روایت میں ہے کہ ام سلمہ کا

سنہ ۶۰ھ میں ہو گیا۔ لیکن معتبر روایات ایسے موجود ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ جناب ام سلمہ ۱۰ محرم سنہ ۶۱ھ یعنی روز شہادت امام حسینؑ تک موجود تھیں۔

ملاحظہ ہو صواعق محرقہ ابن حجر مکی (۱)

اخرج البغوی فی معجمہ من حدیث انس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال استأذن ملك القطر ربہ ان یزورنی فاذن لہ وکان فی یوم ام سلمۃ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا ام سلمۃ احفظی علینا الباب لا یدخل احد فبینا ھی علی الباب اذ دخل الحسین فاقتحم فوثب علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یلثمہ و یقبلہ فقال لہ الملك اتحبہ قال نعم قال ان امتك ستقتلہ وان

انس بن مالک کی روایت ہے کہ فرشتہ باراں نے خداوند عالم سے اجازت لی کہ وہ رسالتمآبؐ کی ملاقات کو جائے۔ اجازت ملی اور وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اُس دن حضرتؐ ام سلمہ کے یہاں تھے۔ آپ نے ام سلمہ سے فرمایا کہ دیکھو دروازہ کا خیال رکھنا کوئی آنے نہ پائے۔ ام سلمہ دروازہ پر کھڑی تھیں کہ حسینؑ آئے اور دوڑ کر رسالتمآبؐ کے پاس پہنچ گئے۔ حضرتؐ نے حسینؑ کو پیار کرنا شروع کر دیا۔ فرشتہ نے کہا آپ اس بچہ کو بہت چاہتے ہیں حضرتؐ نے فرمایا ہاں۔ اُس نے کہا کہ آپ کی

(۱) مطبوعہ مصر ص ۱۱۸۔

ابشروا بالعذاب والتذليل	ابدی کا تم پر تو لعنت ہو چکی ہے سلیمان
قد لعنتم علی لسان ابن داؤد	بن داؤد اور موسیٰ اور صاحب انجیل
و موسیٰ و حامل الانجیل	حضرت عیسیٰ کی زبان سے۔
قالت فبکیت و فتحت القارورة	حضرت ام سلمہ کا بیان ہے کہ میں رونے
فاذا الحصیات قد جرت دما	لگی اور میں نے شیشہ کھول کر دیکھا

تو معلوم ہوا کہ سنگریزوں سے خوں بہہ رہا ہے۔

اس کے بعد صواعق محرقہ میں لکھا ہے۔

اخرج الترمذی ان ام سلمة	حافظ ترمذی کی روایت ہے کہ حضرت
رأت النبی صلی اللہ علیہ	ام سلمہ نے جناب رسالتمآبؐ کو خواب
وسلم باکیا وبراسہ ولحیتہ	میں دیکھا روتے ہوئے اس حال میں کہ
التراب فسألتہ فقال قتل	حضرت کے سر و ریش پر خاک پڑی ہوئی
الحسین آنفا۔	ہے جناب ام سلمہ نے دریافت کیا حضرتؐ

نے فرمایا کہ ابھی ابھی حسین قتل ہوئے ہیں۔

- ان تمام روایات سے یہ ظاہر ہے کہ حضرت ام سلمہ روز عاشور تک موجود تھیں
علامہ مجلسیؒ نے بحار الانوار میں اس قسم کی بہت روایتیں نقل کی ہیں(۱)
- حضرت سید الشہداءؑ کی مدینہ سے روانگی کے موقع پر بھی ایک روایت ہے

(۱) بحار۔ ج ۱۰ ص ۲۵۱۔ طبع طہران۔

وقال ان هذا من تربة
الارض التي تقتل بها فمتى
صارت دما فاعلمي انه قد
قتل قالت ام سلمة فوضعته
في قارورة عندي وكنت
اقول ان يوما يتحول فيه دما
ليوم عظيم وفي رواية عنها
فاصبته يوم قتل الحسين
وقد صار دما وفي اخرى
ثم قال يعني جبرئيل الا
اريك تربة مقتله فجاء
بحصيات فجعلهن رسول الله
صلى الله عليه وسلم في
قارورة قالت ام سلمة
فلما كانت ليلة قتل الحسين
سمعت قائلا يقول
ايها القاتلون جهلا حسينا

بیان ہے مجھ کو حضرت نے ایک مٹھی سرخ
مٹی کی عطا کی اور فرمایا یہ اس زمین کی
مٹی ہے جہاں میرا فرزند حسین قتل ہوگا
تو جب یہ خون ہو جائے تم سمجھنا کہ میرا
فرزند قتل ہو گیا۔ ام سلمہ کا بیان ہے کہ
میں نے اس مٹی کو ایک شیشہ میں رکھ چھوڑا
اور میں کہا کرتی تھی کہ جس دن یہ مٹی خون
ہو جائے گی وہ بہت بڑا دن ہوگا۔ ایک اور
روایت میں ہے کہ جبرئیل نے کہا میں
آپ کو قتلگاہ کی مٹی دکھلاؤں۔ چنانچہ
انھوں نے کچھ سنگریزے رسولؐ کو دیے
رسالتمآبؐ نے ان کو ایک شیشہ میں رکھا۔
ام سلمہ کا بیان ہے کہ جس رات کی صبح کو
حسینؑ قتل ہونے والے تھے میں نے
کسی شخص کو کہتے سنا۔
اے حسین کے قتل کرنے والو اپنی جہالت کی
وجہ سے۔ تم کو مژدہ ہو عذاب و ذلت۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ   شہادت ہوئی تھی۔

تمام روایات کو ملانے سے انسانی ضمیر یہی فیصلہ کرے گا کہ جناب ام سلمہ حضرت سید الشہداء کی شہادت کو معلوم کرکے اس مصیبت کی تاب نہ لاسکیں اور آپ کی روح نے اُسی روز جسم سے مفارقت کی۔

ہم نے اس موقع پر روایات کے نقل کرنے میں ذرا غیر معمولی تفصیل سے کام لیا اس لیے کہ یہ حقیقت عام کتب مقاتل اور تواریخ کے مصنفین پر مخفی رہی ہے اور کسی واعظ و ذاکر کو بھی جہاں تک ہمیں معلوم ہے اُسکی طرف توجہ کا موقع نہیں ہوا ہے۔ واللہ العالم بحقیقۃ الحال۔

(۱۶)

ترجمان القرآن عبداللہ بن العباسؓ

رضوان اللہ علیہ

ذہبی نے طبقات القراء میں ابی بن کعب کے تذکرہ کے بعد لکھا ہے۔

قد قرأ علی ابی جماعۃ من الصحابۃ منھم ابن عباس۔	ابی بن کعب سے بہت سے صحابہ نے حفظ قرآن کیا جن میں سے ابن عباس ہیں۔

علامۃ الدہر سید حسن صدر اپنی گرانقدر کتاب (تاسیس الشیعۃ الکرام لفنون الاسلام) میں ابن عباس کے تذکرہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

جس میں حضرت ام سلمہ کا آنا اور سید الشہداء سے رخصت ہونا اور اس مٹی کا تذکرہ کرنا جو رسالتمآبؐ نے ان کو دی تھی، اور سید الشہداء کا بھی باعجاز امامت ایک مٹھی خاک اپنی قتلگاہ کی ان معظمہ کے سپرد کرنا اور یہ کہنا کہ "جب یہ خاک اور وہ جو نانا نے دی تھی دونوں خون ہو جائیں تو سمجھیے گا کہ میں قتل ہو گیا"۔ یہ تمام امور مذکور ہیں (۱)۔

لیکن اس کے بعد ہمارے حیرت کی انتہا نہیں رہتی جب ہم دیکھتے ہیں کہ روز عاشور کے بعد امام زین العابدینؑ اور اہل حرم کی مدینہ میں واپسی کے موقع پر اور اس کے بعد کوئی تذکرہ حضرت ام سلمہ کا نظر نہیں آتا۔

یہ امر قیاس سے بہت بعید ہے کہ اس موقع پر حضرت ام سلمہ موجود ہوتیں اور وہ حضرت زینب وام کلثوم وغیرہ کے واپسی مدینہ کے موقع پر ملاقات کے لیے نہ آتیں اور ان کا کوئی تذکرہ نظر نہ آتا۔

اس مشکل کا حل اس وقت ہوتا ہے جب ہم حیوٰۃ الحیوان دمیری (۲) میں یہ دیکھتے ہیں۔

قیل توفیت سنۃ احدی	ایک قول یہ ہے کہ جناب ام سلمہ نے ۶۱ھ
وستین فی یوم عاشوراء وھو	میں دسویں محرم کو انتقال کیا اور یہی
الیوم الذی قتل فیہ الحسین	وہ دن تھا جس میں حسین بن علیؑ کی

(۱) بحار ص۲۷۵ ج۱۰ (۲) مطبوعہ مصر۔ ج ۱ ص ۱۰۳ - ۱۰۴

ابی صالح قال لقد رأیت
من ابن عباس مجلسا لو ان
جمیع قریش فخرت به لکان
لها فخرا لقد رأیت الناس
اجتمعوا حتی ضاق بهم
الطریق فما کان احد یقدر
علی ان یجیئ ولا یذهب
قال فدخلت علیه فاخبرته
بمکانهم علی بابه فقال
ضع لی وضوء قال فتوضأ
وجلس وقال اخرج فقل لهم
من کان یرید ان یسأل
عن القرآن وحروفه فلیدخل
فخرجت فاذنتهم فدخلوا
حتی ملأوا البیت والحجرة
فما سئلوه عن شیئ الا
اخبرهم عنه وزادهم

جس پر تمام قریش اگر ناز کریں تو بجا ہے۔
میں نے دیکھا دروازہ پر اتنے لوگ مختلف
مسائل کے تحقیقات کرنے والے جمع ہوئے
کہ راستہ بند ہو گیا۔ نہ ادھر کا کوئی آدمی
اُدھر جا سکتا نہ اُدھر کا ادھر آسکتا ہیں
اندر گیا اور میں نے ابن عباس کو
اطلاع دی کہ اتنے لوگوں کا مجمع ہے
انھوں نے وضو کیا اور اپنی جگہ پر آکے
مجھے کہا کہ باہر جاؤ اور کہو کہ جو لوگ
الفاظ قرآن اور اُس کے حروف کے
متعلق سوال کرنا چاہتے ہوں وہ اندر
آئیں، میں گیا اور میں نے ان لوگوں کو
اندر آنے کی اجازت دی، وہ لوگ
اندر آئے یہاں تک کہ تمام گھر مملو ہو گیا
انھوں نے اپنے اپنے مسئلے دریافت
کیے اور ابن عباس نے جو کچھ انھوں نے پوچھا
وہ بتایا اور کچھ اپنی طرف سے اضافہ کر دیا۔

من شیوخ القرآء المرجوع	بڑے حفاظ قرآن میں سے تھے جنکی طرف
الیہم فی القراءۃ اخذ القراءۃ	قرارت قرآن میں رجوع کی جاتی تھی انہوں نے
عن امیر المومنین و ابی	قرآن کی تعلیم امیر المومنینؑ اور ابی ابن کعب
بن کعب۔	سے حاصل کی تھی۔

ابن عبد البر نے استیعاب(۱) میں لکھا ہے۔

روینا من وجوہ عن سعید	سعید بن جبیر کی روایت ہے ابن عباس
بن جبیر عن ابن عباس قال	سے کہ جناب رسالتمآبؐ کی وفات ہوئی
توفی رسول اللہ صلی اللہ	ہے تو میری عمر ۱۰ سال کی تھی۔ میں نے
علیہ وسلم وانا ابن عشر	اُس وقت تک سور مفصل کو حفظ
سنین وقد قرأت المحکم یعنی المفصل	کیا تھا۔

ممکن ہے کہ یہ سورے بھی آپ نے جناب امیرؑ سے حفظ کیے ہوں اور پھر بقیہ قرآن ابی بن کعب سے یاد کیا ہو۔

سید مرتضیٰ زبیدی نے شرح احیاء العلوم(۲) میں لکھا ہے۔

اخرج ابو نعیم فی الحلیۃ من	حافظ ابو نعیم نے حلیۃ الاولیاء میں ابو صالح
روایۃ یونس بن بکیر	کی روایت درج کی ہے کہ میں نے ابن عباس
حدثنا ابو حمزۃ الثمالی عن	کی علمی صحبت کا ایسا واقعہ دیکھا ہے کہ

(۱) برحاشیہ اصابہ ج ۲ ص ۳۵۰ (۲) مطبوعہ مصر ج ۱ ص ۱۰۱

عام اسلامی کتب بھی ایسے شواہد سے مملو ہیں جن سے مجموعی حیثیت سے حضرت ابن عباس کی شیعیت کا ناقابل انکار ثبوت ملتا ہے۔

استیعاب[۱] میں ہے

شهد عبد الله بن عباس مع علیؓ الجمل وصفین و النهروان۔	عبد اللہ بن عباس حضرت علیؓ کے ساتھ جمل۔ صفین۔ نہروان تینوں لڑائیوں میں شریک ہوئے۔

صحیح بخاری[۲] کے "باب قول المریض قوموا عنی" میں ہے۔

عن عبید الله بن عبد الله عن ابن عباس قال لما حضر رسول الله صلی الله علیه وسلم وفی البیت رجال فیهم عمر بن الخطاب قال النبی صلی الله علیه وسلم هلم اکتب لکم کتابا لا تضلوا بعده فقال عمر ان النبی صلی الله علیه وسلم قد غلب علیه الوجع	حضرت ابن عباس نے کہا کہ جب رسالتمآب کے احتضار کا عالم تھا اور اس وقت گھر میں بہت سے لوگ تھے جن میں عمر بن الخطاب بھی تھے تو حضرتؐ نے فرمایا کہ آؤ میں تم لوگوں کے لیے ایک تحریر لکھ دوں جس کے بعد تم گمراہ نہ ہو گے۔ عمر نے کہا کہ رسالتمآب کے اوپر اس وقت مرض کا غلبہ ہے۔ قرآن تمہارے پاس موجود ہے اور ہمارے لیے بس خدا کی کتاب

(۱) برحاشیہ اصابہ۔ ج ۲ ص ۳۵۷ (۲) مطبوعہ کرزن گزٹ پریس دہلی نصف دوم ص ۸۴۶

ثم قال اخوانكم فخرجوا ثم قال
اخرج فقل من اراد ان
يسأل عن تفسير القرآن
وتاويله فليدخل قال
فخرجت فاذنتهم فدخلوا
حتى ملأوا البيت والحجرة
فما سألوه عن شيء الا
اخبرهم به وزادهم ثم
قال اخوانكم فخرجوا۔

پھر انھوں نے کہا اب اپنے دوسرے
بھائیوں کو موقع دو۔ وہ لوگ اٹھے
اور باہر گئے۔ ابن عباس نے مجھ سے کہا
جاؤ اور کہو کہ جو لوگ تفسیر قرآن اور
تاویل کے متعلق سوالات کرنا چاہتے
ہوں وہ اندر آئیں۔ میں گیا اور میں نے
کہا۔ وہ لوگ اندر آئے اور اتنے کہ گھر
پورا مملو ہو گیا۔ انھوں نے بھی جو کچھ
سوالات کیے ان کا ابن عباس نے
جواب دیا بلکہ اس سے زیادہ بتلا دیا پھر کہا اپنے دوسرے بھائیوں کا خیال کرو۔ وہ لوگ اٹھے اور باہر گئے (اسی طرح مختلف علوم و فنون کی تحقیقات کرنے والے اندر آئے اور اپنے سوالات سے کچھ زیادہ جواب سنکر باہر گئے)

اس روایت میں پہلے جن لوگوں کا تذکرہ ہے کہ انھوں نے اپنے مشکلات ابن عباس سے حل کرائے وہ حفاظ قرآن ہی ہیں۔

ابن عباس امیر المومنینؑ کے مخصوص شخص اور مستند شیعہ تھے۔

رجال کشی میں بعض ضعیف السند روایات جو ان کی مذمت کے متعلق ہیں ان کو علماء نے صحیح تسلیم نہیں کیا ہے۔

ایک مرتبہ اپنے والد کے ساتھ تھا مکہ معظمہ میں اُس وقت جب اُن کی آنکھوں کی بصارت زائل ہو چکی ہے۔ ہمارا گذر ہوا ایک جماعت کی طرف سے جو زمزم کے کنارے بیٹھی ہوئی علی بن ابیطالبؑ کو بُرا کہہ رہی تھی۔ عبداللہ بن عباس نے اپنے شاگرد سعید بن جبیر سے جو آپ کا ہاتھ پکڑ کے لیجاتے تھے، کہا کہ ذرا مجھے ان کی طرف واپس کرو۔ سعید انھیں پلٹا کے اُس مجمع کے پاس لائے

ابن عباس نے کہا۔ ایکم الساب للہ ولرسولہ "تم میں سے کون شخص خدا اور رسولؐ کو گالیاں دے رہا تھا۔" اُن لوگوں نے کہا "سبحان اللہ ہم میں کوئی شخص ایسا نہیں جس نے خدا اور رسولؐ کو بُرا کہا ہو۔" ابن عباس نے کہا " ایکم الساب لعلی " "تم میں سے حضرت علیؑ کو بُرا کہنے والا کون ہے"

اُن لوگوں نے کہا ہاں (اتنا تو ہوا تھا)۔" ابن عباس نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسالتمآبؐ کو فرماتے سُنا ہے۔ من سبّ علیا فقد سبّنی ومن سبّنی فقد سبّ اللہ ومن سبّ اللہ کبّہ اللہ علی منخریہ فی النار۔

"جو شخص علیؑ کو بُرا کہے اُس نے مجھے بُرا کہا اور جس نے مجھے بُرا کہا اس نے خدا کو بُرا کہا اور جس نے خدا کو بُرا کہا خدا اُس کو اوندھے مُنھ آگ میں ڈال دے گا۔

وعندكم القرآن حسبنا
كتاب الله فاختلف اهل البيت
فاختصموا منهم من يقول
قربوا يكتب لكم النبي صلى الله
عليه وسلم كتابا لن تضلوا
بعده ومنهم من يقول
ما قال عمر فلما اكثروا اللغو
والاختلاف عند النبي صلى الله
عليه وسلم قال رسول الله
صلى الله عليه وسلم قوموا
قال عبيد الله فكان ابن عباس
يقول ان الرزية كل الرزية
ما حال بين رسول الله صلى الله عليه وسلم وبين ان
يكتب لهم ذلك الكتاب من اختلافهم ولغطهم۔

کافی ہے۔ گھر والوں میں اسوقت
اختلاف ہوا۔ کچھ لوگ کہتے تھے کہ
قلم دوات دینا چاہیے کہ رسالتمآب ایسی
تحریر لکھ دیں جس کے بعد گمراہی سے
محفوظ ہو جائیں۔ کچھ لوگ وہ کہتے تھے
کہ جو عمر نے کہا تھا۔ جب شور ہوا اور
جھگڑا ہونے لگا تو رسالت مآب ص
نے فرمایا کہ میرے پاس سے اٹھ جاؤ
ابن عباس کہتے تھے کہ مصیبت
سب سے بڑی وہی تھی کہ رسالتمآب
کو وہ تحریر لکھنے کا موقع نہ ملا جو آپ
لکھنا چاہتے تھے۔

کمال الدین دمیری نے حیواۃ الحیوان (۱) میں شفاء الصدور ابن سبع
سبتی کے حوالہ سے علی بن عبداللہ بن عباس کی روایت لکھی ہے کہ میں

(۱) مطبوعہ مصر ج ۱ ص ۱۴۵

في قرائته فطلب زياد بن ابيه وكان امير العراق الى ابى الاسود الدؤلى وهو من كبار التابعين المتقنين للقراءة ان يضع للناس علامات تضبط قراءتهم فشكل اواخر الكلمات من المصحف الشريف و جعل الفتحة نقطة فوق الحرف والكسرة نقطة تحته والضمة نقطة الى جانبه وجعل علامة الحرف المنون نقطتين

میں بھی غلطیاں کی جائیں۔ اس کے لیے زیاد بن ابیہ نے جو عراق کا حاکم تھا ابو الاسود سے جو بڑے تابعی اور بہت اچھے حافظ تھے، یہ خواہش کی کہ وہ کچھ علامتیں قرآن میں مقرر کر دیں جس سے قرات میں آسانی ہو جائے۔ انھوں نے مصحف میں ہر کلمہ کے آخر میں اعراب لگا دیے۔ انھوں نے فتحہ کی علامت قرار دی ایک نقطہ جو حرف کے اوپر ہو اور کسرہ کی علامت ایک نقطہ حرف کے نیچے اور ضمہ کی علامت ایک نقطہ حرف کے پہلو میں اور تنوین کی علامت دو نقطے حرف کے اوپر۔

شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی اصابہ[1] میں لکھتے ہیں۔

قال ابن سعد استخلفه ابن عباس على البصرة فاقره علي وعن ابى العباس المبرد

ابن عباس نے بصرہ میں ان کو اپنا قائم مقام بنایا اور حضرت علی نے برقرار رکھا۔ ابو العباس مبرد نے کہا ہے کہ سب سے پہلے

(۱) مطبوعہ مصر۔ ج ۲ ص ۲۴۲

ابن عباس نے ۶۸ھ میں طائف میں انتقال کیا۔

حضرت محمد بن الحنفیہ نے نماز جنازہ پڑھی اور کہا۔ الیوم مات ربانی هذه الامة۔ آج اس امت کا سب سے زیادہ خداشناس آدمی دنیا سے اٹھا۔"

(۱۷)

ابوالاسود دؤلی

حضرت علیؓ کے مخصوص شاگرد اور مستند حافظ قرآن تھے۔ قرآن مجید پر نقطے اور اعراب لگانے کی خدمت انھوں نے ہی انجام دی ہے جو آج مسلمانوں کے لیے سرمایۂ حفظ و قرارت ہے۔

نقیب السادة المصریہ سید محمد علی ببلاوی نے کتاب "التعریف بالنبی والقرآن والشریف"[۱] میں لکھا ہے۔

لما دخل غیر العرب فی الاسلام من الفرس وغیرهم ونشأ اللحن علی الالسنة خیف علی القرآن ان یلحن	جب غیر عرب دوسرے اقوام جیسے ایرانی وغیرہ اسلام میں داخل ہوئے اور عربی بات چیت میں غلطیاں ہونے لگیں تو خوف پیدا ہوا کہ قرآن کی تلاوت

(۱) مطبوعہ مصر ص ۹۱

علیٰ البصرۃ خلافۃ لابن	کر گئے تھے اور حضرت علیؓ نے انکو ابن عباس
عباس وکان علوی المذھب	کی قائم مقامی میں بصرہ کا حاکم بنایا اور

یہ علوی مذہب رکھتے تھے۔

نیز حافظ کا قول نقل کیا ہے۔

ابو الاسود معدود فی	ابو الاسود بہت سے طبقوں میں محسوب
طبقات من الناس ھو فی	ہیں اور وہ ہر طبقہ میں اول درجہ
کلھا مقدم کان معدودا	رکھتے ہیں۔ وہ تابعین میں محسوب تھے
فی التابعین والفقھاء والشعراء	فقہا میں شعرا میں محدثین میں اشراف میں
والمحدثین والاشراف	شہسواروں میں، یعکام میں، عقلمندوں
والفرسان والامراء والدھاۃ	میں۔ حاضر جوابوں میں۔ اور
والحاضری الجواب والشیعۃ	شیعوں میں۔

دمیری نے لکھا ہے کہ ابو الاسود سے پوچھا گیا "امیر معاویہ جنگ بدر میں شریک ہوئے تھے؟"

ابو الاسود نے کہا "ہاں مگر اس طرف سے"(۱)

ابو الاسود کی وفات ۶۹ھ میں ہوئی ہے۔

(۱) حیوٰۃ الحیوان ۔ ج ۱ ص ۳۰۲

قال اول من وضع العربیۃ ونقط المصاحف ابو الاسود وقد سئل ابو الاسود عمن نهج لک الطریق فقال تلقیته عن علی بن ابیطالب۔

سب نے علم نحو کی ایجاد کی اور قرآن میں نقطے لگائے وہ ابو الاسود ہیں اور ابو الاسود سے خود دریافت کیا گیا کہ اُن کو یہ راستہ کس نے بتایا؟ تو انھوں نے کہا میں نے اس کو علی بن ابیطالبؑ سے حاصل کیا۔

ان کا تشیع محتاج اثبات نہیں ہے۔

حافظ جلال الدین سیوطی نے "بغیۃ الوعاۃ فی طبقات النحاۃ"[1] میں لکھا ہے۔

کان من سادات التابعین ومن اکمل الرجال رایا واسدهم عقلا شیعیا شاعرا سریع الجواب ثقۃ فی حدیثه وصحب علی بن ابیطالب وشهد معه صفین۔

یہ بزرگ درجہ کے تابعی سب سے زیادہ صائب الرائے عقلمند شیعہ، شاعر، حاضر جواب، روایت حدیث میں ثقہ تھے علی بن ابیطالبؑ کی صحبت میں رہے اور آپ کے ساتھ جنگ صفین میں شریک ہوئے۔

حافظ عسقلانی[2] نے لکھا ہے

قال المرزبانی هاجر ابو الاسود الی البصرۃ فی خلافۃ عمر وولاه

مرزبانی نے کہا ہے کہ ابو الاسود حضرت عمر کے زمانہ میں بصرہ کی طرف ہجرت

(۱) مطبوعہ مصر ص ۳۴۷ (۲) اصابہ ج ۲ ص ۲۴۲

(قد کان مع علیؑ رضی اللہ عنہ) کہ وہ حضرت علیؑ کے ساتھ تھے۔

ہمارے علماء نے بھی ان کے تشیع کی تصدیق کی ہے

علامہ سید حسن صدر دام ظلہ نے کتاب "سبیل الشیعۃ الکرام لفنون الاسلام" میں لکھا ہے۔

قرأ ابو عبدالرحمٰن السلمی علی امیر المومنینؑ کما فی مجمع البیان(۱) وطبقات القراء وفی رجال البرقی فی خواص علی علیہ السلام من مضر ابو عبدالرحمٰن عبداللہ بن حبیب السلمی۔

ابو عبدالرحمٰن نے حفظ قرآن امیر المومنینؑ سے کیا ہے جیسا کہ مجمع البیان، اور طبقات القراء میں مذکور ہے اور رجال برقی میں ہے کہ قبیلۂ مضر میں سے امیر المومنینؑ کے مخصوصین میں سے ابو عبدالرحمٰن عبداللہ بن حبیب سلمی تھے۔

انھوں نے ۷۳ھ کے بعد انتقال کیا ہے۔

(۱۹)

ابو زید ثابت بن زید انصاری

ابن عبدالبر کی روایت میں ہے کہ قال الخزرجیون منا اربعۃ قرأوا القرآن علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یقرأہ غیرھم "قبیلۂ خزرج والوں نے کہا کہ ہم میں سے چار آدمی ایسے

(۱۸)

ابو عبد الرحمن سلمی

اصلی نام عبداللہ بن حبیب بن ربیعہ تھا، بڑے درجہ کے تابعی اور امیر المومنین حضرت علیؑ کے مخصوص صحابی تھے اور حفاظ قرآن میں بڑا درجہ رکھتے تھے۔

عاصم جو قراء سبعہ میں محسوب ہیں وہ انہی کے شاگرد تھے اور انھوں نے قرآن امیر المومنینؑ کو سنایا تھا۔

ملاحظہ ہو صواعق محرقہ[1] علامہ ابن حجر مکی۔

(تمہ (ای علیا) احد من جمع	حضرت علیؑ اُن لوگوں میں سے تھے جنھوں نے
القرآن وعرضہ علی رسول اللہؐ	قرآن حفظ کر کے رسالتمآبؐ کو سنا دیا اور
وعرض علیہ ابو الاسود الدؤلی	پھر آپ کو قرآن حفظ کر کے سنایا ابو الاسود
وابو عبد الرحمن السلمی و	دؤلی اور عبد الرحمن سلمی اور عبد الرحمن
عبد الرحمن بن ابی لیلی۔	بن ابی لیلی نے۔

ابن عبد البر نے لکھا ہے[2]:

اما ابو عبد الرحمن السلمی فالصحیح عنہ	ابو عبد الرحمن سلمی کے متعلق صحیح روایت ہے

(۱) مطبوعہ مصر ص ۷۶ (۲) استیعاب مطبوعہ حیدرآباد ج ۱ ص ۲۹ و بر حاشیہ اصابہ مطبوعہ مصر ج ۱ ص ۵۹

خلیفہ بن خیاط۔ یعقوب بن سفیان۔ بخاری۔ ترمذی اور بہت سے لوگوں نے ان کو صحابہ میں داخل کیا ہے۔ ابو حاتم نے کہا ہے کہ یہ رسالتمآب کی خدمت میں شرفیاب ہوئے اور حضرت کے پیچھے نماز پڑھی۔ ابن سعد اور ابن داؤد نے سند حسن سے روایت کی ہے کہ انھوں نے رسالتمآب کے پیچھے نماز ادا کی ہے۔ ابن سکن کا قول ہے کہ ان کو رسالتمآب نے خراسان کا حاکم بنایا تھا۔

عبدالرحمٰن بن ابزی امیرالمومنین علی بن ابیطالب کے ساتھیوں میں سے تھے۔ خود ان کی روایت ہے۔

شہد نامع علی ممن بایع بیعۃ	ہم لوگ یعنی وہ کہ جو شجرہ کے نیچے رسالتمآب
الرضوان تحت الشجرۃ ثمانمائۃ	سے بیعت الرضوان کیے ہوئے تھے آٹھ سو
نفس بصفین فقتل منا	کی تعداد میں علی بن ابیطالب کیساتھ صفین
ثلثمائۃ وستون نفسا۔	میں شریک جنگ ہوئے تھے جن میں سے
	۳۶۰ آدمی قتل ہو گئے۔

صحیح مسلم کی روایت ہے کہ حضرت عمر نے نافع بن عبد الحارث خزاعی سے (جو بظاہر مکہ معظمہ کے اصلی حاکم تھے، اور اس موقع پر عارضی طور سے مدینہ آئے ہوئے تھے) پوچھا کہ تم نے کس کو حاکم بنایا ہے؟ انھوں نے کہا کہ عبدالرحمٰن بن ابزی کو۔

حضرت عمر نے کہا تم نے ایک غلام کو حاکم بنایا؟ نافع نے کہا۔ انہ قاری

جنھوں نے رسالتمآبؐ کے سامنے قرآن حفظ کیا، اور اُن کے سوا کسی نے (قبیلۂ اوس) میں سے قرآن حفظ نہ کیا تھا" ان چار میں ابو زید کا نام ہے۔[1]

شعبی کی روایت میں جو چھ آدمیوں کا ذکر ہے اُن میں بھی ابو زید کا نام ہے[2]

یحییٰ بن معین سے دریافت کیا گیا کہ یہ ابو زید کون ہیں جنھوں نے رسالتمآبؐ کے زمانہ میں حفظ قرآن کیا تھا؟ اُنھوں نے کہا "ثابت بن زید"[3]

علامہ علی طاب ثراہ نے خلاصۃ الرجال میں ان کو قسم اوّل یعنی ممدوحین میں ذکر کیا ہے اور لکھا ہے۔ ھو احد الستۃ الذین جمعوا القرآن علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم۔

یہ اُن چھ آدمیوں میں سے ہیں جنھوں نے رسالتمآبؐ کے زمانہ میں حفظ قرآن کیا تھا۔ ان کی وفات کا زمانہ صحیح طور سے معلوم نہیں۔

(۲۰)

عبدالرحمٰن بن ابزیٰ خزاعیؓ

حافظ ابن حجر عسقلانی نے ان کا صحابہ کے ذیل میں تذکرہ کیا ہے اور لکھا ہے کہ۔

(۱) استیعاب برحاشیہ اصابہ مطبوعہ مصر ج ۱ ص۲۸۲ (۲) اسد الغابہ ج ۱ ص۲۶۳

(۳) اسد الغابہ ج ۵ ص۲۰۳

اُن لوگوں میں کیا ہے جو امیر المومنینؑ سے روایت حدیث کرتے ہیں اور لکھا ہے۔

قیل للاعمش علی من قرأت	اعمش سے پوچھا گیا کہ تم نے قرآن
قال علی یحیی بن وثاب ویحیی	کس سے حفظ کیا؟ انھوں نے کہا
قرأ علی عبید بن نضلة	یحیٰی بن وثاب سے اور یحیٰی نے عبید
کان یقرأ کل یوم آیة ففرغ	بن نضلہ سے روزانہ ایک آیت حفظ
من القرآن فی سبعین	کرتے تھے یہاں تک کہ پورا قرآن
سنة۔	۷۰ برس میں حفظ کیا۔

(۲۲)

زاذان ابو عمر فارسی کندی

ایرانی نژاد، قبیلۂ کندہ کے رہنے والے تھے، اس لیے فارسی اور کندی کہلاتے تھے۔

حافظ ابن حجر نے "تقریب التہذیب"(۱) میں لکھا ہے۔

صدوق یرسل وفیہ	راستگو ہیں، اکثر روایات بغیر حوالہ نقل
شیعیة	کرتے ہیں اور ان میں تشیع پایا جاتا ہے۔

(۱) مطبوعہ دہلی ص۸۰

لکتاب اللہ عالم بالفرائض۔

"مگر وہ حافظ قرآن اور فرائض و احکام کا عالم ہے"

ابو یعلی نے ایک دوسرے طریق سے اس روایت کو جو لکھا ہے، اس میں ہے۔ (نی وجدتہ اقرأھم لکتاب اللہ وافقھھم فی دین اللہ۔

"میں نے اس کو سب سے زیادہ کتاب الٰہی کا حافظ اور مذہبی مسائل میں فقیہ پایا"

جنگ صفین کے بعد سے عبدالرحمٰن کوفہ میں قیام پذیر رہے (۱)

(۲۱)

عبید بن نضلہ خزاعی

ذہبی نے طبقات القرآء میں ان لوگوں کا تذکرہ کیا ہے جنہوں نے ابی بن کعب سے قرآن حفظ کیا، پھر لکھا ہے کہ واخذ عنھم خلق من التابعین "ان صحابہ سے بکثرت سے تابعین نے قرآن یاد کیا" اس کے بعد ان لوگوں کی فہرست درج کرتے ہوئے، ان لوگوں میں سے جو کوفہ میں مقیم تھے عبید بن نضلہ کا نام لکھا ہے (۲)

شیخ الطائفہ محمد بن الحسن الطوسی نے کتاب الرجال میں عبید کا تذکرہ

(۱) اصابہ مطبوعہ مصر ج ۲ ص ۳۸۹ (۲) اتقان مطبوعہ دہلی ص ۱۰۴

فدنوت منه فتكلم في اذني	حضرت نے فرمایا میرے قریب آؤ
بكلام ما عرفته ولا علمت	میں حضرت کے قریب گیا تو حضرت نے
ما يقول ثم قال افتح فاك	میرے کان میں کچھ کہا جو میں سمجھا نہیں
فتفل في فيّ فوالله ما زالت	پھر فرمایا کہ منہ اپنا کھولو میں نے منہ
قدمي من عنده حتى حفظت	کھولا تو حضرت نے اپنا لعاب دہن میرے
القرآن باعرابه وهمزه وما	منہ میں ڈال دیا۔ خدا کی قسم میرا پاؤں
احتجت ان اسأل عنها احدا	اس جگہ سے ہٹا نہیں جب تک کہ قرآن
بعد موقفي ذلك قال سعد	مجھ کو اعراب اور ہمزوں کے ساتھ یاد
فقصصت قصة زاذان	نہ ہو گیا اور میں نے پھر کسی مسئلہ میں کسی
على ابي جعفرؑ قال صدق	شخص کی طرف رجوع کی ضرورت
زاذان ان امير المومنين	محسوس نہیں کی۔ سعد خفاف کا بیان
دعا لزاذان بالاسم الاعظم	ہے کہ میں نے زاذان کے واقعہ کا
الذي لا يرد۔	تذکرہ امام محمد باقرؑ سے کیا۔ آپ نے فرمایا

کہ زاذان نے سچ کہا۔ امیر المومنینؑ نے ان کے لیے اسم اعظم کے توسط سے دعا کی تھی۔

زاذان نے ۸۲ھ میں داعی اجل کو لبیک کہی۔

علامہ حلیؒ نے خلاصہ(۱) میں امیر المومنینؑ کے مخصوصین میں شمار کیا ہے۔ شیخ ابو علی حائری کتاب منتہی المقال میں کتاب خرائج وجرائح سے روایت کرتے ہیں۔

روی سعد الخفاف عن زاذان ابی عمرو قال قلت له یا زاذان انک لتقرأ القرآن فتحسن قراءته فعلی من قرأت فتبسم ثم قال ان امیر المومنین مرّ بی وانا انشد الشعر وکان لی خلق حسن فاعجبه صوتی فقال یا زاذان فهلا بالقرآن قلت یا امیر المومنین فکیف لی بالقرآن فوالله ما اقرأ منه الا بقدر ما اصلی به قال فادن منی

سعد خفاف کا بیان ہے کہ میں نے زاذان سے کہا تم قرآن پڑھتے ہو اور خوب پڑھتے ہو یہ بتاؤ کہ تم نے اسے حفظ کس سے کیا؟ زاذان یہ سنکر مسکرائے اور کہا سنو! امیر المومنینؑ ایک مرتبہ میری طرف سے گذرے جبکہ میں شعر پڑھ رہا تھا اور میری آواز قدرۃً بہت اچھی تھی حضرت امیرؑ کو میری آواز بہت پسند آئی اور فرمایا کہ زاذان یہ آواز قرآن میں صرف نہ ہوئی۔ میں نے کہا یا امیر المومنین میں قرآن کیسے پڑھوں۔ مجھے تو وہ اتنا ہی یاد ہے جتنا نماز میں ضرورت ہوتی ہے

(۱) مطبوعہ ایران ص ۹۳۵ -

"عاصم نے کہا ہے کہ زر بن حبیش علم نحو کے بہترین عالم تھے اور ابن مسعود ان سے علم نحو کے مشکل مسائل پوچھا کرتے تھے۔ نیز یہ بھی لکھا ہے کہ ابو وائل عثمانی شخص تھے اور زر حضرت علیؑ کے طرفدار تھے۔ اور یہ دونوں آدمی ایک ہی مسجد میں نماز پڑھتے تھے"

زر بن حبیش نے ۸۳ھ میں انتقال کیا

(۴۴)

عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ انصاری

فقہائے زمانہ میں محسوب تھے۔ علامہ ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ[1] میں حضرت علیؑ کے متعلق لکھا ہے۔

انہ احد من جمع القرآن	آپ ایک وہ شخص ہیں جنھوں نے
وعرضہ علی رسول اللہ	قرآن حفظ کر کے رسالتمآبؐ کو سنایا
صلی اللہ علیہ وسلم	اور بعض آپ کو قرآن حفظ کر کے سنایا
وعرض علیہ ابو الاسود	ابو الاسود دوئلی نے اور ابو عبدالرحمٰن
الدؤلی وابو عبدالرحمٰن السلمی	سلمی اور عبدالرحمٰن ابن ابی لیلیٰ
وعبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ	نے

(۱) مطبوعہ مصر صفحہ ۷۴

(۲۴۳)

زر بن حبیش اسدی

ابو مریم اور بعضوں نے ابو مطرف کنیت ہے۔ زمانۂ جاہلیت کی پیدائش تھی مگر رسالتمآب ﷺ کی زیارت سے مشرف نہیں ہوئے اسلیئے تابعین میں محسوب ہیں

ابن عبدالبر نے لکھا ہے

کان عالما بالقرآن قاریا فاضلا۔ "یہ قرآن مجید کے عالم اور حافظ فاضل شخص تھے" (۱)

ذہبی نے طبقات القراء میں بھی ان کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ ان لوگوں میں سے جو تابعی تھے اور صحابہ سے حفظ قرآن کیا، کوفہ کے رہنے والوں میں سے زر بن حبیش تھے (۲)

حافظ عسقلانی لکھتے ہیں (۳)

قال عاصم کان من اعرب الناس وکان ابن مسعود یسألہ عن العربیۃ وقال ایضا کان ابو وائل عثمانیا وزر علویا وکان مصلاھما فی مسجد واحد۔

---

(۱) استیعاب برحاشیہ اصابہ مطبوعہ مصر ج ۱ ص ۵۸۸ (۲) اتقان مطبوعہ دہلی ص ۱۰۱ (۳) اصابہ مطبوعہ مصر ج ۱ ص ۵۷۷

کی صحبت میں رہے اور جدا نہیں ہوئے، اور حضرت کے ساتھ لڑائیوں میں شریک ہوئے"

عمر کا آخری حصہ امام زین العابدینؑ کے ساتھ گذرا اور حضرت ہی کے اصحاب میں محسوب ہوئے۔ بلکہ امام موسی کاظمؑ کی حدیث میں جو کتاب الاختصاص سے منقول ہے، اُن کا امام زین العابدینؑ کے خالص حوارین میں سے ہونا ثابت ہوتا ہے(۱)

برنظی کی روایت میں ہے کہ

ذکر عند الرضاؑ القاسم بن محمد خال ابیہ و سعید بن المسیب فقال کانا علی ھذا الامر۔	امام رضاؑ کے سامنے آپ کے جد امجد امام جعفر صادقؑ کے ماموں قاسم بن محمد اور سعید بن المسیب کا تذکرہ ہوا حضرت نے فرمایا وہ دونوں آدمی اسی مذہب پر تھے۔

۔ یہ اُن کے صحیح تشیع پر نص صریح ہے جس کے مقابلہ میں کوئی مستند روایت موجود نہیں ہے۔

ان کی وفات ۹۴ھ میں ہوئی ہے۔

(۱) بحار۔ ج ۱۱ صـ ۴۲

علامہ حلی نے خلاصہ میں لکھا ہے۔ "ھو من اصحاب علی
شھد معہ ضربہ الحجاج حتی اسود کتفاہ علی سب علی"
"وہ آپ امیر المومنین کے اصحاب میں سے ہیں اور حضرت کے ساتھ
لڑائیوں میں بھی شریک ہوئے ہیں۔ حجاج بن یوسف ثقفی نے اپنے زمانۂ
حکومت میں آپ کو بید لگوائے یہاں تک کہ آپ کے دونوں شانے سیاہ
ہوگئے، اس بات پر کہ امیر المومنین کو برا کہیں"۔
آپ کا انتقال بھی ۸۳ھ میں ہوا ہے۔

(۲۵)

سعید بن مسیّب قرشی

اپنے زمانہ کے بڑے فقہاء اور حفاظ قرآن میں سے، بلکہ مدینہ میں
امام القراء کی حیثیت رکھتے تھے۔
ولادت ان کی بزمانہ حضرت عمر یعنی ۱۶ھ کے ... میں ہوئی
اور ابن شہر آشوب نے مناقب میں لکھا ہے کہ "ربّاہ امیر المومنین"
"یعنی امیر المومنین حضرت علی نے ان کی تربیت کی"۔ علامہ سید حسین صدر
لکھتے ہیں۔
"وصحبہ ولم یفارقہ وشھد معہ حروبہ... امیر المومنین ہی

"حجاج کے قتل کرنے کا سبب ان کو یہی تشیع تھا اور وہ ثابت قدم شیعہ تھے"[1]

دمیری نے حیوٰۃ الحیوان[2] میں لکھا ہے

روی عن عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ انہ رای الحجاج فی المنام بعد موتہ وھو جیفۃ منتنۃ فقال لہ ما فعل اللہ بک قال قتلنی بکل قتیل قتلتہ قتلۃ واحدۃ الا سعید بن جبیر فانہ قتلنی بہ سبعین قتلۃ	عمر بن عبد العزیز خلیفہ اموی نے حجاج کو خواب میں دیکھا اسکے مرنے کے بعد، اس حالت میں کہ وہ بدبودار مردہ کی صورت ہے انھوں نے اس سے پوچھا کہ خدا نے تیرے ساتھ کیا سلوک کیا؟ اس نے کہا کہ خدا نے مجھ کو ہر مقتول کے عوض میں جس کو میں نے قتل کیا تھا ایک ایک دفعہ قتل کیا۔

لیکن سعید بن جبیر اُن کے بدلے میں مجھ کو ستر مرتبہ قتل کیا گیا۔"

اسکے بعد علامہ دمیری لکھتے ہیں۔

فان قیل ما الحکمۃ فی ان اللہ تعالیٰ قتل الحجاج بکل قتیل قتلہ قتلۃ واحدۃ	اگر کہا جائے کہ اس میں کیا بات ہے کہ خدا نے حجاج کو ہر اس شخص کے بدلے میں جس کو اس نے قتل کیا تھا ایک مرتبہ

(۱) خلاصۃ الرجال مطبوعہ ایران ص ۳۹ (۲) مطبوعہ مصر ج ۱ ص ۱۴۹

(۳۶)

سعید بن جبیر اسدی کوفی

اعلم التابعین مشہور تھے۔ کتاب التعریف بالنبی والقرآن الشریف(۱)
میں ہے۔

کان یقرأ القرآن علی حرفین "یہ قرآن کو دو قراءتوں کے مطابق حفظ کیے ہوئے تھے"

ذہبی نے طبقات القرأ میں لکھا ہے کہ ابی بن کعب سے بہت لوگوں نے صحابہ میں سے حفظ قرآن کیا۔ پھر ان سے بہت سے تابعین نے جنہیں سے کوفہ کے رہنے والوں میں سے سعید بن جبیر ہیں(۲)

علامہ سید محسن اعرجی نے اپنی کتاب الرجال میں لکھا ہے کہ

قرأ القرآن فی رکعۃ فی البیت الحرام "سعید بن جبیر نے ایک مرتبہ پورا قرآن ایک رکعت میں ختم کیا"

سعید امام زین العابدینؑ کے مخلص صحابی تھے۔ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا ہے۔

ما کان سبب قتل الحجاج لہ الا علی ھذا الامر وکان مستقیما

(۱) مطبوعہ مصر ص۶۶ (۲) اتقان مطبوعہ دہلی ص۱۰۲

بلغہ قتل سعید بن جبیر — کہ جب تمام دنیا مشرق سے لے کر
قال واللہ لقد مات — مغرب تک اُن کے علم کی محتاج
سعید بن جبیر یوم مات — ہے۔ یہ وجہ تھی کہ اُن کے قتل
واھل الارض من مشرقھا — کی وجہ سے حجاج پر عذاب زیادہ
الی مغربھا محتاجون لعلمہ — ہوا۔

فمن ھذا المعنی اضعف العذاب علی الحجاج بقتلہ۔

سعید بن جبیر کی شہادت شعبان سنہ ۹۴ یا ۹۵ھ میں ہوئی اور اُن کی عمر صرف ۴۹ برس کی تھی۔

یہ وہ حفاظ قرآن ایک شیعی جماعت میں سے جن کا پتہ پہلی صدی ہجری میں چلتا ہے۔ اور یہ حصہ اس تذکرہ کا اسی مقام پر ختم کیا جاتا ہے۔ دوسرا حصہ جسے انشاء اللہ اس صحیفہ کا دوسرا رُخ ہی سمجھنا چاہیے وہ دوسری صدی کے حفاظ کے تذکرہ سے شروع ہوگا جن میں سے اکثر اسی صدی سے متعلق ہیں اس لیے کہ اُن کی عمر کا بیشتر حصہ اسی صدی میں گذرا ہے لیکن چونکہ کتاب کی ترتیب میں ہم نے سال وفات کا اعتبار کیا ہے اسلیے اُن کو ہم دوسری صدی میں درج کرنے پر مجبور ہیں والسلام

علی نقی النقوی

۱۶ ج ۲ سنہ ۱۳۵۳ھ

الا سعید بن جبیر رحمہ اللہ
تعالیٰ وھو قد قتل عبد اللہ
بن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ
عنھما وھو صحابی وسعید
بن جبیر تابعی والصحابی
افضل من التابعی فالجواب
ان الحکمۃ فی ذلک ان الحجاج
لمّا قتل عبد اللہ بن الزبیر
رضی اللہ تعالیٰ عنھما کان
لہ نظراء فی العلم کثیرون
کابن عمر وانس بن مالک
وغیرھما من الصحابۃ
ولمّا قتل سعید بن جبیر
لم یکن لہ نظیر فی العلم
فی وقتہ وذکر غیر واحد
من المصنفین ان الحسن
البصری رحمہ اللہ لمّا

قتل کیا اور سعید بن جبیر کے لیے ستّر
دفعہ قتل کیا۔ حالانکہ حجاج نے عبد اللہ
بن زبیر کو بھی قتل کیا تھا جو صحابی
تھے اور سعید بن جبیر تابعی تھے اور
صحابی تابعی سے افضل ہوتا ہے
تو اس کا جواب یہ ہے کہ حجاج نے
جب عبد اللہ بن زبیر کو قتل کیا ہے
تو علم میں اُن کے مثل بہت سے لوگ
موجود تھے جیسے عبد اللہ بن عمر
انس بن مالک وغیرہ صحابہ میں
سے لیکن جب سعید بن جبیر کو قتل
کیا ہے تو کوئی نظیر اُن کا موجود نہ تھا
اور اکثر مصنفین نے ذکر کیا ہے کہ جب
حضرت حسن بصری کو سعید بن جبیر
کے قتل ہونے کی خبر ہوئی تو انھوں نے
کہا خدا کی قسم سعید بن جبیر دنیا
سے اُٹھے ایسے وقت میں،

رسالہ "حقائق" لکھنؤ

میں ایک عرصہ سے اس ضرورت کو محسوس کر رہا تھا کہ ہمارے ہاتھ میں ایک ماہانہ علمی و تحقیقی رسالہ کا موجود ہونا لازمی اور ضروری ہے تاکہ ایک طرف اہلبیت علیہم السلام کے معارف وحقائق کی نشر و اشاعت کا سلسلہ جاری رہے اور دوسری طرف غیر مسلمین کیطرف سے دین حق پر آئے دن جو حملے ہوتے رہتے ہیں انکا بروقت دفاع کیا جاسکے چنانچہ ابتک اسکے مبادیات طے کرتا رہا اور اب بحمد اللہ اس نتیجہ پر پہونچگیا ہوں کہ جلد از جلد مجوزہ رسالہ کا اجرا کر دیا جائے جسکا امامیہ مشن سے اس سے زائد تعلق نہ ہوگا کہ اسکے اغراض و مقاصد کی نشر و اشاعت اس رسالہ کے ذریعہ سے ہوتی رہیگی مگر مشن پر اسکا کوئی بار یا کسی قسم کی بھی ذمہ داری عائد نہ ہوگی

افراد قوم میں یہ خبر مسرت کیساتھ سنی جائیگی کہ مجوزہ رسالہ یعنی "حقائق" کا پہلا نمبر ۱۵ شعبان المعظم سنہ ۵۳ھ یوم ولادت امام عصر (عجل اللہ فرجہ) کو شائع ہوگا۔ سائز ۲۰×۲۶ ۸/۱- کاغذ سفید حجم چار جزو۔ چندہ سالانہ چار روپیہ ششماہی دو روپیہ آٹھ آنہ ہوگا۔ (نمونہ کا پرچہ چھ آنے کے ٹکٹ وصول ہونے پر روانہ کیا جائے گا)

"حقائق" کا پہلا ہی نمبر آپ کو یہ بتلادے گا کہ وہ کیسے کیسے گرانبہا مضامین کا حامل ہوگا امید ہے کہ افراد قوم کثیر سے کثیر تعداد میں اس رسالہ کی خریداری قبول فرمائیں گے

الداعی الی الخیر

سبط بن حسین عفی عنہ